سلسلہ آصفیہ نمبر ۱

جس میں

میرزا غالب کی خود نوشتہ سوانح عمری اور فرہنگ شامل ہے

نظامی بدایونی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

سنہ ۱۹۲۳ء

مطبوعات نظامی پریس بدایوں
دیوان غالب پاکٹ ایڈیشن
مشرح - مرتبہ
مولانا نظامی بدایونی - طبع پنجم جس میں ڈاکٹر محمود پی - ایچ
ڈی کا مقدمہ شامل ہے - اور شرح پر نظر ثانی کی گئی ہے -
نظامی پریس سے اس وقت تک جتنے ایڈیشن نکلے ہیں
ان سب میں لکھائی چھپائی صحت ہر لحاظ سے بہترین نسخہ
ہے قیمت عہ - مجلد نہایت خوبصورت اعلیٰ قسم کے مارول کلاتھ
سے بنی ہوئی جلد تین روپئے
دیوان خواجہ میر درد
ایک مستند قدیمی قلمی نسخے سے مقابلہ کر کے نہایت عمدہ طریقے سے
چھاپا گیا ہے - علاوہ چھپائی کی عمدگی کے صحت اور جدید رسم الخط کا
خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے قیمت غیر مجلد عہ مجلد عہ -
نکات غالب مجلد
مرزا اسد اللہ خاں غالب کی خود نوشتہ سوانح عمری، تصوف اخلاق اور شاعری کے متعلق نکات اور
دلچسپ لطائف جس میں میرزا صاحب کا فوٹو بھی شامل ہے قیمت مجلد صرف ایک روپیہ -
ملنے کا پتا :- نظامی پریس بدایوں

غالب نام آورم نام و نشانم مپرس ٭ هم اسداللهم و هم اسداللهیم

نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی

دیوان غالب اردو سلسلۂ آصفیہ نمبر (۱)

اردو

دیوان غالب

سلسلہ آصفیہ نمبر ۳

نظامی پریس بدایوں نے دیوان غالب کو سب سے پہلی مرتبہ جناب سید راس مسعود صاحب بی۔اے آکسن کی تحریک و اصرار سے سنہ ۱۹۱۵ء میں خاص اہتمام کے ساتھ چھاپا تھا۔ یہ پہلا نسخہ بالکل محشّٰی شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد ۱۹۱۸ء میں سید صاحب موصوف کی ترقی ادب اردو کی اسکیم کے تحت میں اس کو دوسری مرتبہ شرح کے ساتھ شائع کرنے کی نوبت آئی سنہ ۱۹۲۲ء اور سنہ ۱۹۲۳ء میں چھوٹی تقطیع پر وہی مشرح نسخہ دو مرتبہ پھر شائع ہوا۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں سید صاحب کی مذکورۂ بالا اسکیم کے سلسلہ میں نظامی پریس سے اعلیٰ حضرت قدر قدرت ہز اگزالٹیڈ ہائی نس میر عثمان علی خاں بہادر بالقابہ تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ کے گراں قدر عطیہ سے مراثی انیس کی پہلی جلد نہایت آب و تاب سے اشاعت پذیر ہوئی جو سلسلۂ آصفیہ کی پہلی کڑی تھی۔ دوسرا نمبر خواجہ میر درد کا تھا جن کا دیوان حال ہی میں مراثی انیس کی تقطیع اور اسی شان کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ اسی یکسانیت کو ملحوظ رکھ کر تیسرے نمبر پر دیوان غالب کا یہ اڈیشن شائع ہوتا ہے۔ یہ نسخہ بالکل محشّٰی ہے۔ صرف اہل مطالعہ اور طالبانِ علم کی آسانی کے خیال سے آخر میں ایک فرہنگ دیدی گئی ہے جس میں مشکل الفاظ کے معنی اور خاص غالبی محاورات کا حل کیا گیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ ہر شخص جو عوز و خوض کے ساتھ مطالعہ کرنے کا عادی ہوگا اس فرہنگ[1] کی مدد سے تمام مشکل اشعار کو سمجھنے میں خود ہی کامیاب ہو جائے گا اور اس کو کسی شرح کی احتیاج ۔۔۔

[1] فرہنگ میں مشکل الفاظ کے معنی غزل وار لکھے گئے ہیں۔ دیوان میں ہر غزل کا نمبر درج ہے اسی نشان سے ناظرین ہر غزل کے الفاظ کے معنی فرہنگ میں تلاش کر سکتے ہیں۔

نہ رہے گی۔ چونکہ ہر مصنف کے کلام کے معانی و مطالب سمجھنے کے لیے اُس کے حالات زندگی جاننے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے ہم اس مختصر تمہید کے بعد "غالب کے خود نوشتہ حالات زندگی" درج کرتے ہیں۔ اس کے پڑھنے سے ناظرین کو غالب کے اس خاص طرز تحریر کا جو اُنھوں نے اردو نثر میں اختیار کی تھی اور جس سے اردوئے معلی اور عود ہندی کے صفحات بھرے پڑے ہیں لطف حاصل ہوجائے گا۔ غالب کی زندگی کا یہ روزنامچہ جو آپ کے سامنے اِن صفحات میں پیش کیا جاتا ہے۔ انھیں موتیوں کی لڑی ہے جو خود اس قادر الکلام مصنف کے قلم کی گہر ریزی کی بدولت مذکورہ بالا کتب کے صفحات پر بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ میں نے کئی سال ہوئے، مصنف کے ان تمام حالات کو جو اُنھوں نے اپنے دوستوں کو وقتاً فوقتاً اپنے خطوط میں لکھے تھے ایک سلسلے میں جمع کیا تھا جو سب سے پہلے "نکات غالب"[1] میں مرزا کے نکات اور لطائف کے ساتھ سنہ ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئے۔ امید ہے کہ ناظرین مصنف کی اس خود نوشتہ سرگزشت کو پڑھ کر وہی فائدہ اٹھائیں گے جو انگریزی مصنفوں کے اپنے قلم سے لکھی ہوئی سوانح عمری آٹو بیاگرفی کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اُن کو معلوم ہوجائیگا کہ خوش قسمتی سے مولف کو پیدائش سے وفات تک کے حالات اس طریقے سے ہاتھ آئے کہ خاصی سوانح عمری مرتب ہوگئی اور اُس کو کہیں پر قلم لگانے اور کسی تصرف کی ضرورت نہ پڑی۔ البتہ کسی کسی موقعہ پر وضاحت کی غرض سے نوٹ ضرور دینے پڑے ہیں۔ اور نوٹوں میں بھی زیادہ تر غالب ہی کے عبارتوں کے اقتباس لکھ کر کتاب کو زیادہ دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس دیوان میں غالب کی مستند تصویر اور اُن کا عکس خط بھی شامل کیا جاتا ہے تاکہ کتاب کی تکمیل میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔

نظامی بدایونی

۲۴ اکتوبر ۱۹۲۳ء

[1] کتاب نکات غالب چکنے سفید کاغذ پر دیوان غالب پاکٹ اڈیشن کی تقطیع پر نظامی پریس بدایوں میں چھپی جو مطبع مذکور سے مجلد ملتی ہے قیمت عہ

مرزا غالب کے خود نوشتہ حالاتِ زندگی

خاندان و نسب

میں قوم کا ترک سلجوقی ہوں دادا میرا ماوراءالنہر سے شاہ عالم کے وقت میں ملک ہندوستان میں آیا سلطنت ضعیف ہو گئی تھی۔ صرف پچاس گھوڑے نقارہ نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہوا۔ ایک پرگنہ سیر حاصل کی تنخواہ اور رسالہ کی تنخواہ میں پایا۔ بعد انتقال اس کے جو طوائف الملوکی کا ہنگامہ گرم تھا وہ علاقہ نہ رہا۔ باپ میرا عبداللہ بیگ خاں بہادر لکھنؤ جا کر نواب آصف الدولہ کا نوکر ہوا پھر حیدرآباد میں نواب نظام علی خاں کا ملازم ہوا وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں جاتی رہی۔ والد نے گھبرا کر اور کا قصد کیا۔ راؤ راجہ بختاور سنگھ کا نوکر ہوا۔ وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا۔ نصر اللہ بیگ خاں بہادر میرا چچا حقیقی مرہٹوں کی طرف سے اکبرآباد کا صوبیدار تھا۔ اس نے مجھے پالا۔ ۱۸۰۶ء میں جب جرنیل لیک صاحب نے سواروں کی بھرتی کا حکم دیا۔ چار سو سوار کا برگیڈیر ہوا ایک ہزار سات سو روپیہ ذات کا اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سال کی جاگیر عین حیات علاوہ رسالہ بھر مرزبانی کی تھی کہ بمرگ ناگاہ مرگیا۔ رسالہ برطرف ہو گیا۔ ملک کے عوض نقدی مقرر ہو گئی۔

پیدائش

عالم دو ہیں ایک عالم ارواح۔ اور ایک عالم آب و گل۔ قاعدہ عالم یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔

لڑکپن اور تعلیم

میرا حقیقی بھائی کل ایک تھا وہ تیس برس دیوانہ رہ کر مرگیا۔ پانچ برس کا تھا جو باپ مرگیا۔ آٹھ برس کا تھا جو چچا مرگیا۔ مجھ کو مبدء فیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے۔ عبدالصمد محض ایک فرضی نام ہے۔ چونکہ مجھ کو لوگ بے استادا کہتے تھے ان کا منہ بند کرنے کو ایک فرضی استاد گھڑ لیا۔

حلیہ

میرا قد درازی میں انگشت نما ہے۔ جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چمپئی تھا اور دیدہ ور لوگ اس کی ستائش کیا کرتے تھے۔ اب جب کبھی مجھ کو وہ اپنا رنگ یاد آتا ہے تو چھاتی پر سانپ سا پھر جاتا ہے۔ جب داڑھی مونچھ میں بال سفید آ گئے۔ تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار مسی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی۔ مگر یہ بھی یاد رکھیے کہ اس بھونڈے شہر میں ایک وردی عام ہے۔ ملا۔ حافظ۔ بساطی۔ نیچہ بند۔ دھوبی۔ سقہ۔ بھٹیارہ۔ جولاہہ۔ کنجڑا۔ منہ پر داڑھی رکھتا ہے اور سر پر بال۔ فقیر نے جس دن داڑھی رکھی اسی دن سر منڈایا۔

مذہب

مسائل دیکھنا اور مسائل ...... نفاس میں غوطہ مارنا اور ہے اور عرفا کے کلام سے حقیقت حقہ وحدت وجود کو اپنے دلنشیں کرنا اور ہے مشرک وہ ہیں جو وجود کو واجب و ممکن میں مشترک

جانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو مسیلمہ کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو نومسلموں کو ابوالائمہ کا ہمسر جانتے ہیں۔ دوزخ اُن لوگوں کے واسطے ہے۔ میں موحد خالص اور مومن کامل ہوں زبان سے لاالٰہ الااللہ کہتا ہوں اور دل میں لاموجود الااللہ لامؤثر فی الوجود الااللہ سمجھے ہوئے ہوں۔ انبیا سب واجب التعظیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مفترض الطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی۔ یہ خاتم المرسلین اور رحمۃ اللعالمین ہیں مقطع نبوت کا مطلع امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے۔ اور امام من اللہ علی علیہ السلام ہے ثم حسن ثم حسین اسی طرح تا مہدی علیہ السلام

بریں زیستم ہم بریں بگذرم

ہاں اتنی بات اور ہے کہ اباحت اور زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں۔ اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے تو میرا جلانا مقصود نہ ہوگا۔ بلکہ دوزخ کا ایندھن ہونگا اور دوزخ کی آنچ کو تیز کرونگا تاکہ مشرکین اور منکرین نبوت مصطفوی و امامت مرتضوی اس میں جلیں۔

مجھ میں کوئی بات مسلمانی کی نہیں ہے پھر میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں کی ذلت پر مجھ کو کیوں اس قدر رنج۔ اور تاسف ہوتا ہے۔

صوفی صافی ہوں اور حضرات صوفیہ حفظ مراتب ملحوظ رکھتے ہیں۔ مصرع

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی۔

شاہ محمد اعظم صاحب خلیفہ تھے مولانا فخر الدین صاحب کے اور میں مرید ہوں اُس خاندان کا۔

شادی و اولاد

تیرہ برس حوالات میں رہا، رجب ۱۲۲۵ھ ہجری کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈالدی اور دلی شہر کو زندان مقرر کیا مجھے اس زندان میں ڈالدیا مگر نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد اس جیل خانہ سے بھاگا۔ تین برس بلاد شرقیہ میں پھرتا رہا۔ پایان کار مجھے کلکتے سے پکڑ لائے۔ اور پھر اسی مجلس میں بٹھادیا۔ جب دیکھا کہ یہ قیدی گریز پا ہے دو ہتکڑیاں اور بڑھادیں۔

کلکتہ کا سفر

میں کلکتے گیا۔ نواب گورنر جنرل سے ملنے کی درخواست کی دفتر دیکھا گیا میری ریاست کا حال معلوم کیا گیا۔ ملازمت ہوئی۔ سات پارچے اور جیغہ۔ سرپیچ مالائے مروارید۔ یہ تین رقم خلعت ملا۔

---

[۱] تیرہ برس کی عمر میں مرزا کی شادی مرزا الٰہی بخش خاں معروف کے یہاں ہوئی تھی حوالات سے مراد وہ زمانہ ہے جو عالم تجرید میں گزرا

[۲] ہتکڑیوں سے مراد زین العابدین خاں عارف کے دو لڑکوں سے ہے جن کو میرزا نے اپنے حقیقی اولاد کی طرح پرورش کیا تھا۔ میرزا کے اپنی اولاد زندہ نہ رہی سات بچے ہوکر مرگئے ۱۲

[۳] دہلی سے کلکتے جاتے ہوئے مرزا لکھنؤ بھی گئے تھے جس کا ایک قطعہ میں اس طرح ذکر کیا ہے ؎

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی ❊ ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہمکو ❊ مقطع سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر

دہلی سے رام پور

میں نے دلی کو چھوڑا رام پور کو چلا۔ پنجشنبہ ۱۹ جنوری ۱۸۶۰ء مراد نگر اور جمعہ ۲۰ کو میرٹھ پہونچا۔ شنبہ ۲۱ کو بھائی مصطفٰے خاں کے کہنے سے قیام کیا۔ یہاں سے گڑھ مکتیشر۔ مرادآباد ہوتا ہوا۔ رام پور پہنچ گیا۔ رئیس کی طرف سے بطریق وکیل محکمۂ کمشنری میں معین نہیں ہوں جس طرح امرا واسطے فقرا کے وجہ معاش مقرر کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اس سرکار سے میرے واسطے مقرر ہے۔ ہاں فقیر سے دعائے خیر اور مجھ سے اصلاح نظم مطلوب ہے۔ چاہوں دلی رہوں۔ چاہوں اکبرآباد۔ چاہوں لوہارو۔ رام پور میرے واسطے دارالسرور ہے۔ جو لطف یہاں ہے وہ اور کہاں ہے۔ پانی سبحان اللہ۔ شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے اور کوسی اس کا نام ہے۔ بے شبہ چشمۂ آب حیات کی کوئی سوت اس میں ملی ہے۔ خیر اگر یوں ہے تو آب حیات عمر بڑھاتا ہے۔ لیکن اتنا شیریں کہاں ہوگا۔

شاعری و تصنیف

خاکسار نے ابتدائے سن تمیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی ہے۔ پھر اوسط عمر میں بادشاہِ دہلی کا نوکر ہو کر چند روز اسی روش پر خامہ فرسائی کی ہے۔ نظم و نثر کا عاشق و مائل ہوں ہندوستان میں رہتا ہوں مگر تیغ اصفہانی کا گھائل ہوں۔ جہاں تک زور چل سکا فارسی زبان میں بہت بکا۔ ایک اردو کا دیوان ہزار بارہ سو بیت کا۔ ایک فارسی کا دیوان دس ہزار کئی سو بیت کا تین رسالے نثر کے یہ پانچ نسخے مرتب ہو گئے اب اور کیا کہوں گا۔ مدح کا صلہ نہ ملا۔ غزل کی داد نہ پائی ہرزہ گوئی میں ساری عمر گنوائی۔ گیارہویں مئی ۱۸۵۷ء سے ۳۱ جولائی ۱۸۵۸ء تک روداد نثر میں بہ عبارت فارسی نا آمیختہ بعربی لکھی ہے اور وہ ۱۵ سطر کے مسطر سے چار جزو کی کتاب آگرہ کے مطبع مفید الخلائق میں چھپی ہے۔ دستنبو اس کا نام رکھا ہے اور اس میں صرف اپنی سرگزشت اور اپنے مشاہدہ کے بیان سے کام رکھا ہے۔

زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے پیرانہ سری اور ضعف کے صدموں سے محنت پژوہی اور جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی۔ حرارت غریزی کا زوال ہے اور یہ حالت ہے۔

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب
اب عناصر میں اعتدال کہاں

عالم شباب

مغل بچے غضب ہوتے ہیں جس پر مرتے ہیں اس کو مار رکھتے ہیں۔ میں بھی مغل بچہ ہوں۔

عزم سیر نجف و طوف حرم ہے ہم کو:

کلکتے کے سفر کا ذکر اپنے ایک فارسی تحریر میں اس طرح لکھا ہے:-

"ہنگامۂ دیوانگی بہار در یک طرف و غوغائے دام خواہاں یک سو۔ آشوبے پدید آمد کہ نفس راہ لب و نگاہ روزن چشم فراموش کرد۔ گیتی بدین روشنی روشناں در نظر تیرہ و تار شد۔ لبے از سخن دوختہ و چشمے از خویش فرو بستہ۔ جاں جاں شکستگی و عالم عالم خستگی با خود گرفتم و از بیداد روزگار نالاں و سینہ بدم تیغ نالاں بہ کلکتہ رسیدم۔" -۱۲-

عمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو میں نے بھی مار رکھا ہے۔
میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ اگر مغفرت ہوگئی اور ایک قصر اور ایک حور ملی
اقامت جاودانی ہے اور اسی ایک نیک بخت کے ساتھ زندگانی ہے۔ اس تصور سے جی گھبراتا ہے۔ کلیجہ منہ کو آتا ہے وہ
حور اجیرن ہوجائے گی طبیعت کیوں نہ گھبرائے گی وہی زمردیں کاخ اور طوبیٰ کی ایک شاخ چشم بد دور وہی ایک حور
نہ جزا۔ نہ سزا۔ نہ نفرین نہ آفرین نہ عدل نہ ظلم۔ نہ لطف۔ نہ قہر۔ —

مالی حالت و افلاس

ہادن بیٹھ ک دن کو روٹی رات کو شراب ملتی تھی اب صرف روٹی ملے جاتی ہے۔
شراب نہیں کپڑا۔ ایام تنعم کا بنا ہوا ابھی ہے اس کی کچھ فکر نہیں ہے۔ اس ناداری کے زمانہ میں جس قدر کپڑا۔ اوڑھنا
بچھونا گھر میں تھا سب بیچ بیچ کر کھا لیا گویا اور لوگ روٹی کھاتے تھے اور میں کپڑا کھاتا تھا۔ بے رزق جینے کا ڈھب
مجھ کو آگیا ہے۔ رمضان کا مہینہ روزہ کھا کھا کر کاٹا آئندہ خدا رزاق ہے کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہے بس جب ایک چیز
کھانے کو ہوئی اگرچہ غم ہی ہو۔ تو کیا غم ہے۔

قید ہونے کا واقعہ

کوتوال دشمن تھا اور مجسٹریٹ ناواقف فتنہ گھات میں تھا اور ستارہ گردش میں تھا
باوجودیکہ مجسٹریٹ کوتوال کا حاکم ہے میرے باب میں وہ کوتوال کا محکوم بن گیا اور
میری قید کا حکم صادر کردیا۔ سشن جج باوجودیکہ میرا دوست تھا اور ہمیشہ مجھ سے دوستی اور مہربانی کے برتاو برتتا
تھا اور اکثر صحبتوں میں بے تکلفانہ ملتا تھا اس نے بھی اغماض اور تغافل اختیار کیا۔ صدر میں اپیل کیا گیا مگر کسی نے
نہ سنا اور وہی حکم بحال رہا پھر معلوم نہیں کہ کیا باعث ہوا کہ جب آدھی میعاد گزر گئی تو مجسٹریٹ کو رحم آیا اور
صدر میں میری رپورٹ کی اور وہاں سے حکم رہائی کا آگیا اور حکام صدر نے ایسی رپورٹ بھیجنے پر اس کی بہت
تعریف کی سنا ہے کہ رحمدل حاکموں نے مجسٹریٹ کو بہت نفرین کی اور میری خاکساری اور آزادہ روی سے اس کو
مطلع کیا۔ یہاں تک کہ خود بخود اس نے میری رہائی کی رپورٹ بھیجدی اگرچہ میں ہر کام کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہوں
اور خدا سے لڑا نہیں جاتا۔ جو کچھ گزرا اس کے ننگ سے آزاد اور جو کچھ گزرنے والا ہے اس پر راضی ہوں۔ مگر آرزو
کرنا آئین عبودیت کے خلاف نہیں ہے۔ میری یہ آرزو ہے کہ اب دنیا میں نہ رہوں اور اگر رہوں ہندوستان
میں نہ رہوں۔ روم ہے۔ مصر ہے۔ ایران ہے۔ بغداد ہے۔ یہ بھی جانے دو۔ خود کعبہ آزادوں کی جائے پناہ ہے۔ اور
آستانۂ رحمۃ العالمین دلدادوں کی تکیہ گاہ ہے۔ دیکھیے وہ وقت کب آئیگا کہ درماندگی کی قید سے جو اس
گزری ہوئی قید سے زیادہ جانفرسا ہے۔ نجات پاؤں اور بغیر اس کے کہ کوئی منزل مقصود قرار دوں سر بصحرا نکل
جاؤں یہ ہے جو کچھ کہ مجھ پر گزرا ہے۔ یہ ہے جس کا میں آرزومند ہوں۔ ۵

زانکہ دنیا غم رسوائی جاوید بلاست — بہر آزار غم از قید فرنگم بود
جور اعدا رود از دل بہ رہائی لیکن — طعن احباب کم از زخم خدنگم بود

غدر اور اس کے بعد کے حالات

مئی ۱۸۵۷ء میں ملک نے یہ فتنہ اُٹھایا۔ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو پہر دن چڑھے وہ فوجی باغی میرٹھ سے دلی آئی تھی یا خود قہر الٰہی کا پے در پے نزول ہوا تھا۔ بقدر خصوصیت دلی ممتاز ہے ورنہ سرتاسر قلمرو ہند میں فتنہ و بلا کا دروازہ باز ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

غدر میں میرا گھر نہیں لٹا۔ مگر میرا کلام میرے پاس کب تھا کہ نہ لٹتا۔ بھائی ضیاء الدین خاں صاحب اور ناظر حسین مرزا صاحب ہندی و فارسی نظم و نثر کے مسودات مجھ سے لیکر اپنے پاس جمع کر لیا کرتے تھے۔ سو ان دونوں گھروں پر جھاڑو پھر گئی نہ کتاب رہی نہ اسباب رہا۔ پھر اب میں اپنا کلام کہاں سے لاؤں۔ اسی ہنگامے میں ایک روز کچھ گورے میرے مکان میں گھس آئے مگر انھوں نے اپنی نیک خوئی سے گھر کے اسباب کو بالکل نہیں چھیڑا مگر مجھے اور دونوں بچوں کو اور دو تین نوکروں کو مع چند ہمسایوں کے کرنیل براون کے روبرو جو میرے مکان کے قریب حاجی قطب الدین سوداگر کے گھر میں مقیم تھے لے گئے۔ کرنیل براون نے بہت نرمی اور انسانیت سے سارا حال پوچھا اور رخصت کر دیا۔ ۱۸۵۸ء میں امن ہوا۔ حکیم احسن اللہ خاں کے مکانات پھر اُن کو مل گئے ہیں اور یہ حکم ہے کہ شہر سے باہر نہ جاؤ۔ دروازے سے باہر نہ نکلو اپنے گھر میں بیٹھے رہو۔ نواب حامد علی خاں کے مکانات سب ضبط ہو گئے وہ قاضی کے حوض پر کرایہ کے مکانات میں مع بال بچوں کے رہتے ہیں باہر جانے کا حکم اُن کو بھی نہیں۔ میرزا الٰہی بخش کو حکم کراچی بندر جانے کا ہے۔ اُنھوں نے زمین پکڑ لی ہے سلطانجی میں رہتے ہیں۔ دیکھیے یہ جبر اُٹھ جائے یا خود اُٹھ جائیں نواب مصطفےٰ خاں بہ میعاد سات برس کے قید ہو گئے تھے سو اُن کی تقصیر معاف ہوئی اور اُن کو رہائی ملی صرف رہائی کا حکم آیا ہے۔ جہانگیر آباد کی زمینداری اور دلی کی املاک اور پنشن کے باب میں ہنوز کچھ حکم نہیں ہوا۔ ناچار وہ رہا ہو کر میرٹھ ہی میں ایک دوست کے مکان میں ٹھہرے ہیں میں بمجرد اس خبر کے استماع کے ڈاک میں بیٹھ کر میرٹھ گیا۔ اُن کو دیکھا چار دن وہاں رہا پھر ڈاک میں اپنے گھر آیا اور تاریخ آنے جانے کی یاد نہیں۔ مگر ہفتہ کو گیا منگل کو آیا۔ آج بدھ دوم فروری ہے۔ مجھ کو آئے ہوئے نواں دن ہے۔

مسموع ہوا ہے کہ ایک محکمہ لاہور میں معاوضہ نقصان رعایا کے واسطے تجویز ہوا ہے۔ اور حکم یہ ہے کہ جو جس کا مال کالوں نے لوٹا ہے۔ البتہ اُس کا معاوضہ بحساب دہ یک سرکار سے ہوگا۔ یعنی ہزار روپیہ کے مانگنے والے کو سو روپیہ ملینگے۔ اور جو گوروں کے وقت کی غارتگری ہے وہ ہدر اور بحل ہے اُس کا معاوضہ نہ ہوگا۔

جو احکام کہ دلی میں آئے ہیں وہ احکام قضا و قدر ہیں۔ ان کا مرافعہ کہیں نہیں۔ اب یوں سمجھ لو کہ نہ ہم کبھی کہیں کے رئیس تھے نہ جاہ و حشم رکھتے تھے نہ املاک رکھتے تھے نہ پنشن رکھتے تھے۔

آغا باقر کا امام باڑہ اس سے علاوہ کہ خداوند کا عزا خانہ ہے ایک زمانے سے قدیم وضع مشہور ہے اس کے انہدام کا غم کس کو نہ ہوگا۔ یہاں دو سڑکیں دوڑی پھرتی ہیں۔ ایک ٹھنڈی سڑک اور ایک آہنی سڑک۔ محل

جن کا محل الگ الگ۔ اس سے بڑھ کر بات ہے کہ گوروں کا بارک بھی شہر میں بنے گا۔ قلعہ کے آگے جہاں لال ڈگی ہے ایک میدان نکالا جائے گا۔ محبوب کی دکانیں، بہلیوں کے گھر، فیل خانہ، بلاقی بیگم کے کوچہ سے خاص بازار تک یہ سب میدان ہو جائیگا۔ یوں سمجھ لو کہ راجہ جان کے دروازہ سے قلعہ کی خندق تک سوائے لال ڈگی اور دو چار کنوؤں کے آثار عمارت باقی نہ رہینگے۔ جاں نثار کے چھتے کے مکان ڈھینے شروع ہو گئے ہیں۔

بسکہ فعال ما یرید ہے آج — ہر سلحشور انگلستان کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے — زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے — گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دہلی کا ذرہ ذرۂ خاک — تشنۂ خوں ہے ہر مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک — آدمی واں نہ جاسکے یاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا — وہی رونا تن و دل و جاں کا
گاہ جل کر کیا کیے شکوہ — سوزش داغ ہائے پنہاں کا
گاہ رو کر کہا کیے باہم — ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا
اس طرح کے وصال سے یارب — کیا مٹے داغ دل سے ہجراں کا

فیل خانہ تک پھر لال ڈگی کے محاذی کے مکانات سب گرا دیے گئے۔ بلاقی بیگم کا کوچہ اللہ اور بسا ہے اہل فوج ڈھانا چاہتے ہیں۔ اہل قلم بچاتے ہیں۔ پایان کار دیکھیے کیا ہو۔

گورنر اعظم نے میرٹھ میں دربار کا حکم دیا۔ صاحب کمشنر بہادر دہلی نے سات جاگیرداروں میں سے جو بقیۃ السیف تھے ان کو حکم دیا۔ دربار عالم سے سوا میرے کوئی باقی نہ تھا۔ یا چند مہاجن۔ مجھ کو حکم نہ پہونچا جب میں نے استدعا کی تو جواب ملا کہ اب نہیں ہو سکتا۔ بہر زمیں مخیم خیام گورنری ہوئی۔ میں اپنی عادت قدیم کے موافق خیمہ گاہ میں پہونچا۔ مولوی اظہار حسین خاں صاحب بہادر سے ملا چیف سکرٹر بہادر کو اطلاع کی۔ جواب آیا کہ فرصت نہیں۔ میں سمجھا کہ اس وقت فرصت نہیں دوسرے دن پھر گیا۔ میری اطلاع کے بعد حکم ہوا کہ ایام غدر میں تم باغیوں سے اخلاص رکھتے تھے۔ اب گورنمنٹ سے کیوں ملنا چاہتے ہو۔ اس دن چلا آیا دوسرے دن میں نے انگریزی خط ان کے نام لکھوا کر ان کو بھیجا۔ مضمون یہ کہ باغیوں سے میرا اخلاص مظنہ محض ہے امیدوار ہوں کہ اس کی تحقیقات فرمائی جائے تاکہ میری صفائی اور بیگناہی ثابت ہو۔ یہاں کے مقامات پر عنایت ہو۔ اب فروری سنہ ۱۸۶۰ء میں پنجاب کے ملک سے جواب آیا کہ لارڈ صاحب بہادر فرماتے ہیں۔ ہم تحقیقات نہ کرینگے بس یہ مقدمہ طے ہوا۔ دربار اور خلعت موقوف۔ پنشن مسدود۔ وجہ لا معلوم لا موجود الا اللہ و لا موثر فی الوجود الا اللہ۔ میں گدا بے سر و پا اس حکم پر متوجع نہ ہوا۔ جب لارڈ صاحب بہادر کلکتہ پہونچے۔ میں نے قصیدہ حسب معمول قدیم بھیج دیا۔ مع اس حکم کے واپس آیا کہ اب یہ چیزیں ہمارے پاس نہ بھیجا کرو۔ میں مایوس مطلق ہو کر بیٹھ رہا۔

اور حکام شہر سے ملنا ترک کر دیا۔ فروری ۱۸۶۳ء میں نواب لفٹننٹ گورنر پنجاب دلی آئے۔ اہالی شہر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر و صاحب کمشنر بہادر کے پاس دوڑے اور اپنے نام لکھوائے۔ میں تو بیگانہ محض اور مطرود حکام تھا جگہ سے نہ ہلا۔ کسی سے نہ ملا دربار ہوا۔ ہر ایک کا منگار ہوا۔ ۸ فروری ۱۸۶۳ء کو آزادانہ منشی پھول سنگھ کے خیمے میں چلا گیا اپنے نام کا ٹکٹ صاحب سکرٹر بہادر کے پاس بھیجا۔ بلالیا۔ مجھ سے بے تکلف ملے۔ دو شنبہ ۲ مارچ ۱۸۶۳ء کو سواد شہر مخیم خیام گورنری ہوا۔ آخر روز میں اپنے شفیق قدیم جناب مولوی اظہار حسین خاں بہادر کے پاس گیا۔ اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ تمہارا دربار اور خلعت بدستور بحال و برقرار ہے۔ متحیرانہ میں نے پوچھا کہ حضرت کیونکر حضرت نے کہا کہ حاکم حال نے ولایت سے آکر تمہارے علاقے کے سب کاغذ انگریزی و فارسی دیکھے، در باجلاس کونسل حکم لکھوایا کہ اسد اللہ خاں کا دربار نمبر اور خلعت بدستور بحال و برقرار رہے ؎

کار سازِ ما بفکرِ کارِ ما
فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

سہ شنبہ ۳ مارچ کو ۱۲ بجے نواب لفٹننٹ گورنر بہادر نے مجھ کو بلایا۔ خلعت عطا کیا اور فرمایا کہ لارڈ صاحب بہادر کے یہاں کا دربار اور خلعت بھی بحال ہے۔

شراب و آم کا شوق

جب دو جرعے پی لیئے فوراً رگ و پے میں دوڑ گئی۔ دل توانا۔ دماغ روشن ہو گیا۔ چار بوتل شراب تین شیشے گلاب کے توشے خانہ میں موجود ہیں۔ ایک دن میں پلنگ پر لیٹا ہوا ہوں کہ ناگاہ چراغ دودمانِ علم و یقین سید نصیر الدین آیا ایک کوڑا ہاتھ میں اور ایک آدمی ساتھ اس کے سر پر ایک ٹوکرا اس پر گھاس ہری بچھی میں نے کہا۔ آہا سلطان العلما مولینا سرفراز حسین دہلوی نے دوبارہ رسد[2] بھیجا ہے معلوم ہوا کہ وہ نہیں ہے کچھ اور ہے۔ فیض عام نہیں لطف عام ہے۔ یعنی شراب نہیں آم ہے۔ خیر یہ عطیہ بھی بے خلل ہے بلکہ نعم البدل ہے۔ ایک ایک سربمہر گلاس سمجھا لکور[3] سے بھرا ہوا۔ مگر واہ کیسی حکمت سے بھرا ہے کہ وہ گلاس میں سے ایک قطرہ نہیں گرا ہے۔

سخت علالت

میں بیمار ہو گیا۔ بیمار کیا ہوا توقع زیست کی نہ رہی۔ قولنج اور پھر کیسا شدید کہ پانچ پہر مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپا کیا۔ آخر عصارہ ریوند اور ارنڈی کا تیل پیا۔ اس وقت تو بچ گیا مگر قصہ قطع نہ ہوا۔ دس دن میں دو بارہ آدھی آدھی غذا کھائی گویا دس دن میں ایک بار غذا تناول فرمائی۔ گلاب اور املی کا پنا اور آلو بخارے کا افشردہ اس پر مدار رہا۔

---

[1] میرزا صاحب شراب اور گلاب ملا کر پیا کرتے تھے جیسا کہ ان کے اس فارسی شعر سے معلوم ہوتا ہے ؎ آسودہ باد خاطر غالب کہ خوئے اوست ٭ آمیختن بہ بادہ صافی گلاب را۔ [2] رسد سے مراد شراب ہے ۱۲

[3] خود مرزا نے اسی خط میں لکور (LIQUOR) کے معنے یوں سمجھائے ہیں۔ یہ ایک انگریزی شراب ہوتی ہے۔ قوام کی

بڑھاپا اور آخری حالت

ستره[ل] بہتره اردو میں ترجمۂ پیر خرف ہے میری ۷۳ برس کی عمر ہے۔ پس میں انحرف ہوا۔ حافظہ گویا کبھی تھا ہی نہیں۔ سامعہ باطل بہت دن سے تھا۔ رفتہ رفتہ وہ بھی حافظہ کی مانند معدوم ہوگیا۔ اب یہ حال ہے جو دوست آتے ہیں رسمی پرسش مزاج سے بڑھ کر جو بات ہوتی ہے وہ کاغذ پر لکھ دیتے ہیں۔ غذا مفقود ہے۔ صبح کو قند اور شیرۂ بادام مقشر، دوپہر کو گوشت کا پانی۔ سرِ شام تلے ہوئے چار کباب۔ سوتے وقت پانچ روپے بھر شراب اور اسی قدر عرقِ گلاب۔ خرف ہوں۔ پوچ ہوں۔ عاصی ہوں۔ فاسق ہوں۔ روسیاہ ہوں۔ یہ شعر میر تقی کا میرے حسب حال ہے[ے]

مشہور ہیں عالم میں مگر ہوں بھی کہیں ہم
القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

آخری عمر کے خیالات دنیا سے بیدلی

ہیں اب ابتدائے عمر ناپائیدار کو ہونچ کر آفتاب لب بام اور ہجوم امراض جسمانی و آلام روحانی سے زندہ درگور ہوں۔ کچھ یادِ خدا بھی چاہیے۔ نظم و نثر کے قلمرو کا انتظام ایزد دانا و توانا کی عنایت و اعانت سے خوب ہو چکا۔ اگر اس نے چاہا تو قیامت تک میرا نام و نشان باقی اور قائم رہے گا

غالب بقول حضرت حافظ ز فیض عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ل بہت لطیف اور رنگت کی بہت خوب اور طعم کی ایسی میٹھی جیسے قند کا قوام ۱۲۔

ے اپنی یہ حالت مرزا صاحب نے ۱۵ فروری ۱۸۶۶ء کو انتقال سے ٹھیک دو سال قبل قلمبند کی تھی۔ مرزا صاحب کا انتقال ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو ہوا جو مطابق ہے ۱۲۸۵ھ کے لیکن انہوں نے اپنی موت کا اندازہ ۱۲۷۷ھ لگایا تھا اور مرنے سے برسوں پہلے اپنے انتقال کا یہ قطعۂ تاریخ لکھ رکھا تھا

من کہ باشم کہ جاوداں باشم — چوں نظیری نماند و طالب مرد
ور بگویند در کدامے سال — مرد غالب بگو کہ "غالب مرد" ۱۲۷۷ھ

جب اس سنہ میں انتقال نہ ہوا تو کیا خوب فرمایا "میاں ۱۲۷۷ھ کی بات غلط نہ تھی مگر میں نے وبائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا۔ واقعی اس میں میری کسرِ شان تھی" ۱۲۔

(۱)

نقش فریادی ہی کس کی شوخیٔ تحریر کا — کاغذی ہی پیرہن - ہر پیکرِ تصویر کا!

کاو کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی - نہ پوچھ — صبح کرنا شام کا - لانا ہی جوئے شیر کا

جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے — سینۂ شمشیر سے - باہر ہی - دم شمشیر کا

آگہی - دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے — مدعا عنقا ہی - اپنے عالمِ تقریر کا

بس کہ ہوں - غالب - اسیری میں بھی آتش زیرِ پا
موئے آتش دیدہ ہی - حلقہ مری زنجیر کا

(۲)

جز قیس - اور کوئی نہ آیا بروئے کار — صحرا - مگر - بہ تنگیٔ چشمِ حسود - تھا

آشفتگی نے نقشِ سویدا کیا درست — ظاہر ہوا - کہ داغ کا سرمایہ دود - تھا

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ — جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

لیتا ہوں مکتبِ غمِ دل میں سبق ہنوز — لیکن یہی کہ رفت گیا - اور - بود - تھا

ڈھانپا کفن نے - داغِ عیوبِ برہنگی — میں - ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

تیشے بغیر مر نہ سکا - کوہکن اسد
سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

(۳)

کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ گم کیجے۔ ہم نے مدعا پایا

عشق سے طبیعت نے۔ زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی۔ درد بے دوا پایا

دوست دارِ دشمن ہی! اعتمادِ دل معلوم
آہ بے اثر دیکھی۔ نالہ نارسا پایا

سادگی و پُرکاری! بے خودی و ہشیاری!
حُسن کو تغافل میں۔ جرأت آزما پایا

غنچہ پھر لگا کھلنے۔ آج ہم نے اپنا دِل
خوں کیا ہوا دیکھا۔ گم کیا ہوا پایا

حال دِل نہیں معلوم۔ لیکن اس قدر۔ یعنی
ہم نے بارہا ڈھونڈھا۔ تم نے بارہا پایا

شورِ پندِ ناصح نے۔ زخم پر نمک چھڑکا
آپ سے کوئی پوچھے۔ تم نے کیا مزا پایا

(۴)

دل مرا سوزِ نہاں سے۔ بے محابا جل گیا
آتشِ خاموش کی مانند۔ گویا۔ جل گیا

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

میں عدم سے بھی پرے ہوں۔ ورنہ غافل بارہا
میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا

عرض کیجے۔ جوہرِ اندیشہ کی گرمی۔ کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا۔ کہ صحرا جل گیا

دل نہیں۔ تجھ کو دکھاتا۔ ورنہ داغوں کی بہار
اس چراغاں کا۔ کروں کیا۔ کارفرما جل گیا

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب۔ کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دُنیا جل گیا

(۵)

شوق۔ ہر رنگ۔ رقیبِ سر و ساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

زخم نے داد نہ دی تنگیٔ دل کی۔ یارب
تیر بھی سینۂ بسمل سے۔ پرافشاں نکلا

بوئے گل۔ نالۂ دل۔ دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

دلِ حسرت زدہ تھا مائدۂ لذتِ درد
کام یاروں کا بقدرِ لب و دنداں نکلا

تھی نو آموزِ فنا۔ ہمت دشوار پسند
سخت مشکل ہے۔ کہ یہ کام بھی آساں نکلا

دل میں پھر گریے نے اک شور اُٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا۔ سو طوفاں نکلا

(۶)

دھمکی میں مر گیا۔ جو نہ بابِ نبرد تھا
عشقِ نبرد پیشہ طلبگارِ مرد تھا

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
اُڑنے سے پیشتر بھی۔ مرا رنگ زرد تھا

تالیفِ نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

دِل تا جگر۔ کہ ساحلِ دریائے خوں ہے اب
اس رہ گزر میں جلوۂ گل آگے۔ گرد تھا

جاتی ہے کوئی۔ کشمکش اندوہِ عشق کی
دِل بھی اگر گیا۔ تو وہی دل کا۔ درد تھا

احباب چارہ سازیِ وحشت نہ کر سکے
زنداں میں بھی خیال۔ بیاباں نورد تھا

یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

(۷)

شمار سبحہ۔ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا
تماشائے بیک کف بُردنِ صد دل پسند آیا

بفیضِ بے دلی۔ نومیدیِ جاوید۔ آساں ہے
کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

ہوائے سیرِ گل۔ آئینۂ بے مہریِ قاتل
کہ اندازِ بخوں غلتیدنِ بسمل پسند آیا

جراحت تحفہ۔ الماس ارمغاں۔ داغِ جگر ہدیہ
مبارکباد اسد غمخوارِ جانِ دردمند آیا

(۸)

دہر میں نقشِ وفا۔ وجہِ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

سبزۂ خط سے ترا کاکلِ سرکش نہ دبا
یہ زمرد بھی۔ حریفِ دمِ افعی نہ ہوا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ جفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

دل گزرگاہِ خیالِ مے و ساغر ہی سہی
گر نفس جادۂ سر منزلِ تقوی نہ ہوا

ہوں ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ کبھی
گوش منت کشِ گلبانگِ تسلی نہ ہوا

کس سے محرومیِ قسمت کی شکایت کیجے
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں۔ سو وہ بھی نہ ہوا

مرگیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب
ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا

(۹)

ستائش گر ہی زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا
وہ اک گلدستہ ہی ہم بیخودوں کے طاقِ نسیاں کا

بیاں کیا کیجیے بیداد کاوش ہائے مژگاں کا
کہ ہر اک قطرۂ خوں دانہ ہی تسبیحِ مرجاں کا

نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو
لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا

دکھاؤں گا تماشہ دی اگر فرصت زمانے نے
مرا ہر داغِ دل اک تخم ہی سروِ چراغاں کا

کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے
کرے جو پرتوِ خورشید عالم شبنمستاں کا

مری تعمیر میں مضمر ہی اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہی خونِ گرم دہقاں کا

اُگا ہی گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر
مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہی میرے درباں کا

خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
چراغِ مردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا

ہنوز اک پرتوِ نقشِ خیالِ یار باقی ہی
دلِ افسردہ گویا حجرہ ہی یوسف کے زنداں کا

بغل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں ورنہ
سبب کیا؟ خواب میں آکر تبسم ہائے پنہاں کا

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہی سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

نظر میں ہی ہماری جادۂ راہِ فنا غالب
کہ یہ شیرازہ ہی عالم کے اجزائے پریشاں کا

(۱۰)

نہ ہوگا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا
حبابِ موجۂ رفتار ہی نقشِ قدم میرا

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہی
کہ موجِ بوئے گل سے ناک میں آتا ہی دم میرا

(۱۱)

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

بقدرِ ظرف ہی ساقی خمارِ تشنہ کامی بھی
جو تو دریائے مے ہی تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

(۱۲)

محرم نہیں ہی تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہی پردہ ہی ساز کا

رنگِ شکستہ صبحِ بہارِ نظارہ ہی
یہ وقت ہی شگفتنِ گلہائے ناز کا

تو اور سوئے غیر - نظر ہائے تیز تیز
میں - اور دُکھ تری - مژہ ہائے دراز کا

صرفہ ہے ضبطِ آہ میں میرا - وگرنہ - میں
طعمہ ہوں - ایک ہی نفسِ جاں گداز کا

ہیں بس کہ جوشِ بادہ سے شیشے اُچھل رہے
ہر گوشۂ بساط ہے - سرِ شیشہ باز کا

کاوش کا دل کرے ہے تقاضا - کہ ہے ہنوز
ناخن پہ قرض - اُس گرہِ نیم باز کا

تاراج کاوشِ غمِ ہجراں ہوا اسد
سینہ - کہ تھا - دفینہ گہر ہائے راز کا

(۱۳)

بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
رکھیو یارب! یہ درِ گنجینۂ گوہر کھلا

شب ہوئی پھر - انجمِ رخشندہ کا - منظر کھلا
اِس تکلف سے - کہ گویا بتکدے کا در کھلا

گرچہ ہوں دیوانہ پر - کیوں دوست کا کھاؤں فریب
آستیں میں دشنہ پنہاں - ہاتھ میں نشتر کھلا

گو نہ سمجھوں اُس کی باتیں - گو نہ پاؤں اُس کا بھید
پر یہ کیا کم ہے؟ کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا

ہے خیالِ حسن میں - حسنِ عمل کا سا خیال
خلد کا اِک در ہے میری گور کے اندر کھلا

منہ نہ کھلنے پر ہے - وہ عالم - کہ دیکھا ہی نہیں
زلف سے بڑھ کر نقاب - اُس شوخ کے منہ پہ کھلا

در پہ رہنے کو کہا - اور کہہ کے کیسا پھر گیا
جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

کیوں اندھیری ہے شبِ غم؟ ہے بلاؤں کا نزول
آج اُدھر ہی کو رہے گا دیدۂ اختر کھلا

کیا رہوں غربت میں خوش؟ جب ہو حوادث کا یہ حال
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

اُس کی امت میں ہوں میں - میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالب - گنبدِ بے در کھلا

(۱۴) ق

شب کہ برقِ سوزِ دل سے - زہرۂ ابرِ آب تھا
شعلۂ جوالہ - ہر اک حلقۂ گرداب تھا

واں کرم کو - عذرِ بارش - تھا عناں گیرِ خرام
گریے سے - یاں پنبۂ بالش کفِ سیلاب تھا

واں۔ خود آرائی کو۔ تھا موتی پرونے کا خیال
یاں۔ ہجوم اشک میں۔ تارِ نگہ نایاب تھا

جلوۂ گل نے۔ کیا تھا۔ واں چراغاں۔ آبِ جو
یاں۔ رواں مژگانِ چشمِ تر سے خونِ ناب تھا

یاں۔ سرِ پُرشور بے خوابی سے۔ تھا دیوار جو
واں۔ وہ فرقِ ناز۔ محوِ بالشِ کمخواب تھا

یاں نفس کرتا تھا روشن۔ شمعِ بزمِ بیخودی
جلوۂ گل واں۔ بساطِ صحبتِ احباب تھا

فرش سے تا عرش۔ واں۔ طوفاں تھا۔ موجِ رنگ کا
یاں۔ زمیں سے آسماں تک سوختن کا باب تھا

ناگہاں۔ اس رنگ سے خوں نابہ ٹپکانے لگا
دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذت یاب تھا

(۱۵)

نالۂ دل میں شب۔ اندازِ اثر نایاب تھا
تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر گو بیتاب تھا

مقدمِ سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے
خانۂ عاشق۔ مگر۔ سازِ صدائے آب تھا

نازشِ ایامِ خاکستر نشینی۔ کیا کہوں
پہلوئے اندیشہ۔ وقفِ بسترِ سنجاب تھا

کچھ نہ کی۔ اپنے جنونِ نارسا نے۔ ورنہ۔ یاں
ذرہ ذرہ۔ روکشِ خورشیدِ عالم تاب تھا

آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے؟
کل تلک تیرا بھی دل۔ مہر و وفا کا باب تھا

یاد کر وہ دن۔ کہ ہر اِک حلقہ تیرے دام کا
انتظارِ صید میں۔ اِک دیدۂ بیخواب تھا

میں نے روکا رات غالب۔ کو۔ وگرنہ۔ دیکھتے
اُس کے سیلِ گریہ میں۔ گردوں کفِ سیلاب تھا

(۱۶)

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب
خونِ جگر۔ ودیعتِ مژگانِ یار تھا

اب میں ہوں اور ماتمِ یک شہرِ آرزو
توڑا جو تو نے آئنہ تمثال دار تھا

گلیوں میں میری نعش کو کھینچے پھرو۔ کہ میں
جاں دادۂ ہوائے سرِ رہگزار تھا

موجِ سرابِ دشتِ وفا کا۔ نہ پوچھ حال
ہر ذرہ۔ مثلِ جوہرِ تیغ۔ آب دار تھا

کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو۔ پر۔ اب
دیکھا تو کم ہوئے پہ غمِ روزگار تھا

(۱۷)

بس کہ دشوار ہے۔ ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسّر نہیں۔ انساں ہونا

گریہ چاہے ہے۔خرابی مرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا

وائے دیوانگیٔ شوق۔کہ ہر دم مجھ کو
آپ جانا اُدھر۔اور آپ ہی حیراں ہونا

جلوہ ازبس کہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
جوہرِ آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا

عشرتِ قتل گہ اہلِ تمنا۔مت پوچھ
عیدِ نظارہ ہے۔شمشیر کا عُریاں ہونا

لے گئے خاک میں ہم داغِ تمنائے نشاط
تو ہو۔اور آپ بہ صد رنگِ گلستاں ہونا

عشرتِ پارۂ دل۔زخمِ تمنا کھانا
لذّتِ ریشِ جگر۔غرقِ نمکداں ہونا

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

حقیقت

حیف اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

(۱۸)

شب۔خمارِ شوقِ ساقی۔رستخیز اندازہ تھا
تا محیطِ بادہ۔صورت خانۂ خمیازہ تھا

یک قدم وحشت سے۔درسِ دفترِ امکاں کھلا
جادہ۔اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

مانعِ وحشت خرامی ہائے لیلیٰ کون ہے؟
خانۂ مجنونِ صحرا گرد۔بے دروازہ تھا

پوچھ مت۔رسوائیِ اندازِ استغنائے حُسن
دست مرہونِ حنا۔رخسار رہنِ غازہ تھا

نالۂ دل نے دیے اوراقِ لختِ دل بہ باد
یادگارِ نالہ۔اِک دیوانِ بے شیرازہ تھا

(۱۹)

دوست۔غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا؟
زخم کے بھرنے تلک۔ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا؟

بے نیازی حد سے گزری۔بندہ پرور۔کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل۔اور آپ فرمائیں گے "کیا"

حضرتِ ناصح۔گر آئیں۔دیدہ و دل۔فرشِ راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا؟

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عُذر میرے قتل کرنے میں۔ وہ اب لائیں گے کیا؟
گر کیا ناصح نے ہم کو "قید" اچھا! یوں سہی
یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا؟
خانہ زادِ زلف ہیں۔ زنجیر سے بھاگیں گے کیوں؟
ہیں گرفتارِ وفا۔ زنداں سے گھبرائیں گے کیا؟

ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ اُلفت اسدؔ
ہم نے یہ مانا کہ دِلّی میں رہیں۔ کھائیں گے کیا؟

(۲۰)

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
ترے وعدے پر جیے ہم تو۔ یہ جان۔ جھوٹ جانا
تری نازکی سے جانا۔ کہ بندھا تھا عہد بودا
کوئی میرے دل سے پوچھے۔ ترے تیرِ نیم کش کو
یہ کہاں کی دوستی ہے؟ کہ بنے ہیں دوست ناصح
رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے۔ پہ کہاں بچیں؟ کہ دِل ہے
کہوں کس سے میں؟ کہ کیا ہے۔ شبِ غم بری بلا ہے
ہوئے مر کے ہم جو رسوا۔ ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا؟
اُسے کون دیکھ سکتا؟ کہ یگانہ ہے وہ یکتا

اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے؟ اگر اعتبار ہوتا
کبھی تو نہ توڑ سکتا۔ اگر اُستوار ہوتا
یہ خلش کہاں سے ہوتی؟ جو جگر کے پار ہوتا
کوئی چارہ ساز ہوتا۔ کوئی غم گسار ہوتا
جسے غم سمجھ رہے ہو۔ یہ اگر شرار ہوتا
غمِ عشق گر نہ ہوتا۔ غمِ روزگار ہوتا
مجھے کیا بُرا تھا مرنا؟ اگر ایک بار ہوتا
نہ کبھی جنازہ اُٹھتا۔ نہ کہیں مزار ہوتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی۔ تو کہیں دوچار ہوتا

یہ مسائلِ تصوف! یہ ترا بیان غالبؔ!
تجھے ہم ولی سمجھتے۔ جو نہ بادہ خوار ہوتا

(۲۱)

ہوس کو ہے۔ نشاطِ کار۔ کیا۔ کیا
نہ ہو مرنا۔ تو جینے کا مزا کیا؟

تجاہل پیشگی - سے - مدعا کیا؟
کہاں تک - اے سراپا ناز کیا کیا؟

نوازش ہائے بے جا دیکھتا ہوں
شکایت ہائے رنگیں کا - گلا - کیا!

نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں
تغافل ہائے تمکیں آزما - کیا

فروغِ شعلۂ خس - یک نفس ہی
ہوس کو - پاسِ ناموسِ وفا - کیا

نفس - موجِ محیطِ بیخودی ہی
تغافل ہائے ساقی کا گلا - کیا!

دماغ عطرِ پیراہن - نہیں ہی
غمِ آوارگی ہائے صبا - کیا!

دلِ ہر قطرہ ہی - سازِ انا البحر
ہم اُس کے ہیں - ہمارا پوچھنا کیا!

محابا کیا ہی؟ میں ضامن اِدھر دیکھ
شہیدانِ نگہ کا - خوں بہا - کیا!

سُن - اے غارت گرِ جنسِ وفا سُن
شکستِ قیمتِ دل کی صدا - کیا؟

کیا کس نے جگرداری کا دعوی؟
شکیبِ خاطرِ عاشق - بھلا - کیا؟

یہ - قاتل وعدۂ صبر آزما - کیوں؟
یہ - کافر فتنۂ طاقت رُبا - کیا؟

بلائے جاں ہی غالب - اُس کی ہر بات
عبارت کیا - اشارت کیا - ادا کیا

(۲۲)

درخورِ قہر و غضب - جب - کوئی ہم سا نہ ہوا
پھر غلط کیا ہی؟ کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا

بندگی میں بھی - وہ آزادہ و خودبیں ہیں - کہ ہم
اُلٹے پھر آئے - درِ کعبہ - اگر - وا نہ ہوا

سب کو مقبول ہی - دعوی تری یکتائی کا
روبرو - کوئی بتِ آئینہ سیما نہ ہوا

کم نہیں - نازشِ ہمنامیِ چشمِ خوباں
تیرا بیمار - بُرا کیا ہی؟ گر اچھا نہ ہوا

سینے کا داغ ہی وہ نالہ - کہ لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہی وہ قطرہ - جو - دریا نہ ہوا

نام کا میرے ہی وہ دکھ - کہ کسی کو نہ ملا
کام میں میرے ہی وہ فتنہ - کہ برپا نہ ہوا

ہر بُنِ مو سے - دمِ ذکر - نہ ٹپکے خوں ناب؟
حمزہ کا قصّہ ہوا - عشق کا چرچا نہ ہوا

قطرے میں - دجلہ دکھائی نہ دے؟ اور جزو میں - کل؟
کھیل لڑکوں کا ہوا - دیدۂ بینا نہ ہوا

تھی خبر گرم- کہ غالب کے اڑیں گے پُرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے- پہ تماشا نہ ہوا

(۲۳) اسدؔ ہم وہ جنوں جولاں- گدائے بے سر و پا ہیں
کہ- ہی سر پنجۂ مژگانِ آہو- پشت خار اپنا

(۲۴) پئے نذرِ کرم- تحفہ ہی شرمِ نارسائی کا
بخوں غلتیدۂ- صد رنگ- دعوی پارسائی کا

نہ ہو حسنِ تماشا دوست- رسوا بے وفائی کا
بہ مُہرِ صد نظر- ثابت ہی دعوی پارسائی کا

زکاتِ حُسن دے- اے جلوۂ بینش- کہ مہر آسا
چراغِ خانۂ درویش ہو- کاسہ گدائی کا

نہ مارا جان کر بے جرم- قاتل تیری گردن پر
رہا- مانندِ خونِ بے گنہ- حق آشنائی کا

تمنائے زباں- محوِ سپاسِ بے زبانی ہی
مٹا جس سے تقاضا- شکوۂ بے دست و پائی کا

وہی اک بات ہی- جو یاں نفس- واں نکہتِ گل ہی
چمن کا جلوہ باعث ہی- مری رنگیں نوائی کا

دہانِ ہر بتِ پیغارہ جو- زنجیرِ رسوائی
عدم تک- بے وفا چرچا ہی- تیری بے وفائی کا

نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں- عرضِ ستم ہائے جدائی کا

(۲۵) گر نہ اندوہِ شبِ فرقت- بیاں ہو جائے گا
بے تکلف داغِ مہ- مُہرِ دہاں ہو جائے گا

زہرہ- گر ایسا ہی شامِ ہجر میں- ہوتا ہی آب
پرتوِ مہتاب- سیلِ خانماں ہو جائے گا

لے تو لوں سوتے میں اُس کے پاؤں کا بوسہ- مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا

دل کو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے- کیا معلوم تھا
یعنی- یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہو جائے گا

سب کے دل میں ہی جگہ تیری- جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا- اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا

گر نگاہِ گرم فرماتی رہی- تعلیمِ ضبط
شعلہ خس میں- جیسے- خوں رگ میں نہاں ہو جائے گا

باغ میں مجھ کو نہ لے جا- ورنہ- میرے حال پر
ہر گلِ تر- ایک چشمِ خوں فشاں ہو جائے گا

وائے۔ گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ توقع ہے۔ کہ۔ واں ہو جائے گا

فائدہ کیا؟ سوچ۔ آخر تو بھی دانا ہے اسدؔ
دوستی ناداں کی ہے۔ جی کا زیاں ہو جائے گا

(۲۶)

درد منت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا۔ برا نہ ہوا

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟
اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

کتنے شیریں ہیں تیرے لب! کہ رقیب
گالیاں کھاکے بے مزا نہ ہوا

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی؟
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

جان دی۔ دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے۔ کہ حق ادا نہ ہوا

زخم گر دب گیا۔ لہو نہ تھما
کام گر رک گیا۔ روا نہ ہوا

رہزنی ہے۔ کہ دل ستانی ہے!
لے کے دل۔ دل ستاں روانہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالبؔ۔ غزل سرا نہ ہوا

(۲۷)

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیِ جا کا
گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

یہ جانتا ہوں۔ کہ تو۔ اور پاسخِ مکتوب
مگر ستم زدہ ہوں۔ ذوقِ خامہ فرسا کا

حنائے پائے خزاں ہے۔ بہار اگر ہے یہی
دوامِ کلفتِ خاطر ہے۔ عیشِ دنیا کا

غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ گل مت دو
مجھے دماغ نہیں۔ خندہ ہائے بیجا کا

ہنوز محرمیِ حسن کو ترستا ہوں
کرے ہے ہر بنِ مو کام چشمِ بینا کا

دل اس کو پہلے ہی نازو ادا سے دے بیٹھے
ہمیں دماغ کہاں۔ حسن کے تقاضا کا

نہ کہہ۔ کہ گریہ۔ بہ مقدارِ حسرتِ دل ہے
مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا

فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اُس کو یاد اسد
جفا میں اُس کی ہے انداز کارفرما کا

(۲۸)
قطرۂ مے بس کہ حیرت سے نفس پرور ہوا
خطِ جامِ مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا
اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا
غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

(۲۹)
جب بہ تقریبِ سفر یار نے محمل باندھا
تپشِ شوق نے ہر ذرّے پہ اِک دِل باندھا
اہلِ بینش نے بہ حیرت کدۂ شوخیٔ ناز
جوہرِ آئینہ کو طوطیٔ بسمل باندھا
یاس و امید نے یک عربدہ میداں مانگا
عجزِ ہمت نے طلسمِ دلِ سائل باندھا

نہ بندھے تشنگیٔ ذوق کے مضموں غالب
گرچہ دِل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

(۳۰)
میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا
ہے ایک تیر جس میں دونوں چھدے پڑے ہیں
وہ دن گئے کہ اپنا دِل سے جگر جدا تھا

درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں
جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

(۳۱)
گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا
بحر گر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا
تنگیٔ دِل کا گلہ کیا یہ وہ کافر دل ہے
کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
بعد یک عمر ورع بار تو دیتا بارے
کاش رضواں ہی درِ یار کا درباں ہوتا

(۳۲)
نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
ہوا جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا
نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا
ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اِک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

(۴۳)

یک ذرۂ زمیں - نہیں بے کار - باغ کا / یاں جادہ بھی - فتیلہ ہی - لالے کے داغ کا

بے مے - کسے ہی - طاقتِ آشوبِ آگہی / کھینچا ہی - عجزِ حوصلہ نے - خطِ ایاغ کا

بُلبُل کے کاروبار پہ ہیں - خندہ ہائے گُل / کہتے ہیں جس کو عشق - خلل ہی - دماغ کا

تازہ نہیں ہی - نشۂ فکرِ سخن مجھے / تریاکیِ قدیم ہوں - دودِ چراغ کا

سو بار بندِ عشق سے آزاد ہم ہوئے / پر کیا کریں ؟ کہ دل ہی عدو ہی فراغ کا

بے خونِ دل ہی چشم میں - موجِ نگہ غبار / یہ مے کدہ - خراب ہی - مے کے سراغ کا

باغِ شگفتہ تیرا - بساطِ نشاطِ دل / ابرِ بہار - خمکدہ کس کے دماغ کا

(۴۴)

وہ مری چینِ جبیں سے - غمِ پنہاں - سمجھا / رازِ مکتوب بہ بے ربطیِ عنواں - سمجھا

یک الف بیش نہیں صیقلِ آئینہ ہنوز / چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ - گریباں - سمجھا

شرحِ اسبابِ گرفتاریِ خاطر - مت پوچھ / اس قدر تنگ ہوا دل - کہ میں زنداں سمجھا

بدگمانی نے نہ چاہا اسے سرگرمِ خرام / رُخ پہ ہر قطرہ عرق - دیدۂ حیراں سمجھا

عجز سے اپنے یہ - جانا - کہ وہ بدخو ہوگا / نبضِ خس سے تپشِ شعلۂ سوزاں سمجھا

سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی / ہر قدم سائے کو میں اپنے شبستاں سمجھا

تھا گریزاں - مژۂ یار سے - دل تا دمِ مرگ / دفعِ پیکانِ قضا - اس قدر آساں سمجھا

دل دیا جاں کے کیوں اس کو وفادار اسد / غلطی کی - کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

(۴۵)

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا / دل جگر تشنۂ فریاد آیا

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز / پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

سادگی ہائے تمنا - یعنی / پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا

عذرِ واماندگی اے حسرتِ دل / نالہ کرتا تھا - جگر یاد آیا

زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی
کیوں ترا راہ گزر یاد آیا

کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی
گھر ترا خلد میں گر یاد آیا

آہ وہ جرأت فریاد کہاں
دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا

پھر ترے کوچے کو جاتا ہی خیال
دلِ گم گشتہ مگر یاد آیا

کوئی ویرانی سی ویرانی ہی
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

(۳۶)

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

تم سے بیجا ہی مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اُس میں کچھ شائبۂ خوبیٔ تقدیر بھی تھا

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتا بتلا دوں
کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

قید میں ہی ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد
ہاں کچھ اک رنجِ گراں باریٔ زنجیر بھی تھا

بجلی اِک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

یوسف اُس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی
گر بگڑ بیٹھے تو میں لائقِ تعزیر بھی تھا

دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجہ ٹھنڈا
نالہ کرتا تھا ولے طالبِ تاثیر بھی تھا

پیشے میں عیب نہیں رکھیے نہ فرہاد کو نام
ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا

ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
آخر اُس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

ریختے کے تمہیں اُستاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

(۳۷)

لبِ خشک در تشنگی مردگاں کا
زیارت کدہ ہوں دل آزردگاں کا

ہمہ نا اُمیدی ہمہ بدگمانی
میں دِل ہوں فریبِ وفا خوردگاں کا

(۳۸)

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا — اوروں پہ ہی وہ ظلم - کہ مجھ پر نہ ہوا تھا
چھوڑا مہِ نخشب کی طرح دستِ قضا نے — خورشید ہنوز اُس کی برابر نہ ہوا تھا
توفیق بہ اندازۂ ہمّت - ہی ازل سے — آنکھوں میں ہی وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا
جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم — میں معتقدِ فتنۂ محشر - نہ ہوا تھا
میں سادہ دِل - آزردگیٔ یار سے خوش ہوں — یعنی - سبقِ شوق مکرّر نہ ہوا تھا
دریائے معاصی - تنک آبی سے ہوا خشک — میرا سرِ دامن بھی - ابھی تر نہ ہوا تھا

جاری تھی اسدؔ - داغِ جگر سے مرے تحصیل
آتش کدہ - جاگیرِ سمندر نہ ہوا تھا

(۳۹)

شب کہ وہ مجلس فروزِ خلوتِ ناموس تھا — رشتۂ ہر شمع - خارِ کسوتِ فانوس تھا
مشہدِ عاشق سے کوسوں تک جو اُگتی ہی حنا — کس قدر - یا رب! ہلاکِ حسرتِ پابوس تھا
حاصلِ اُلفت نہ دیکھا - جز شکستِ آرزو — دِل بہ دل پیوستہ - گویا - اِک لبِ افسوس تھا
کیا کہوں بیماریٔ غم کی فراغت کا بیان — جو کہ کھایا خونِ دل بے منّتِ کیموس تھا

(۴۰)

آئینہ دیکھ - اپنا سا منہ لے کے رہ گئے — صاحب کو - دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا
قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے — اُس کی خطا نہیں ہی - یہ میرا قصور تھا

(۴۱)

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا — جس دل پہ ناز تھا - مجھے - وہ دل نہیں رہا
جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوئے — ہوں شمعِ کشتہ - درخورِ محفل نہیں رہا
مرنے کی - اے دل - اور ہی تدبیر کر کہ میں — شایانِ دست و بازوئے قاتل نہیں رہا
بر روئے شش جہت درِ آئینہ باز ہی — یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا
وا کر دیئے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حسن — غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار — لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

دل سے ہوائے کشتِ وفا مٹ گئی کہ واں — حاصل سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا

بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

(۴۱)

رشک کہتا ہی کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف — عقل کہتی ہی کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

ذرہ ذرہ ساغرِ مے خانۂ نیرنگ ہی — گردشِ مجنوں بہ چشمک ہائے لیلیٰ آشنا

شوق ہی ساماں طرازِ نازشِ اربابِ عجز — ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہی — عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

شکوہ سنجِ رشکِ ہمدیگر نہ رہنا چاہیئے — میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا

ربطِ یک شیرازۂ وحشت ہیں اجزائے بہار — سبزہ بیگانہ صبا آوارہ گل نا آشنا

کوہکن نقاشِ یک تمثالِ شیریں تھا اسد

سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

(۴۲)

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا — بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں یا رب — آج ہی ہوا منظور ان کو امتحاں اپنا؟

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے — عرش سے ادھر ہوتا کاشکے مکاں اپنا

دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے — بارے آشنا نکلا ان کا پاسباں اپنا

دردِ دل لکھوں کب تک جاؤں ان کو دکھلاؤں — انگلیاں فگار اپنی خامہ خونچکاں اپنا

گھستے گھستے مٹ جاتا آپ نے عبث بدلا — ننگِ سجدہ سے میرے سنگِ آستاں اپنا

تا کرے نہ غمازی کر لیا ہی دشمن کو — دوست کی شکایت میں ہم نے ہمزباں اپنا

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے

بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا

سرمۂ مفت نظر ہوں۔ میری قیمت یہ ہی / کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا

رخصتِ نالہ مجھے دے۔ کہ مبادا ظالم / تیرے چہرے سے ہو ظاہر غمِ پنہاں میرا

(۴۵)

غافل۔ بہ وہمِ ناز۔ خود آرا ہی۔ ورنہ یاں / بے شانۂ صبا۔ نہیں طرّۂ گیاہ کا

بزمِ قدح سے۔ عیشِ تمنّا نہ رکھ کہ رنگ / صیدِ ز دام جستہ ہی اس دامگاہ کا

رحمت اگر قبول کرے۔ کیا بعید ہی؟ / شرمندگی سے۔ عذر نہ کرنا گناہ کا

مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہی / پُرگل۔ خیالِ زخم سے۔ دامن نگاہ کا

جاں در ہوائے یک نگہِ گرم ہی اسد / پروانہ ہی وکیل۔ ترے داد خواہ کا

(۴۶)

جور سے باز آئے پر۔ باز آئیں کیا؟ / کہتے ہیں "ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا؟"

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں / ہو رہے گا کچھ نہ کچھ۔ گھبرائیں کیا

لاگ ہو۔ تو اس کو ہم سمجھیں۔ لگاؤ / جب نہ ہو کچھ بھی۔ تو دھوکا کھائیں کیا

ہو لیے کیوں۔ نامہ بر کے ساتھ ساتھ / یا رب۔ اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا

موجِ خوں۔ سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے / آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ / مر گئے پر۔ دیکھیے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ "غالب کون ہی"؟ / کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

(۴۷)

لطافت۔ بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی / چمن زنگار ہی۔ آئینۂ بادِ بہاری کا

حریفِ جوششِ دریا نہیں۔ خودداریِ ساحل
جہاں ساقی ہو تو۔ باطل ہے۔ دعویٰ پارسائی کا

(۴۸)

عشرتِ قطرہ ہے۔ دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے۔ دوا ہو جانا

تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قفلِ ابجد
تھا لکھا۔ بات کے بنتے ہی۔ جدا ہو جانا

دل ہوا کشمکشِ چارۂ زحمت میں تمام
مٹ گیا گھسنے میں۔ اس عقدہ کا وا ہو جانا

اب جفا سے بھی ہیں محروم۔ ہم۔ اللہ اللہ
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

ضعف سے۔ گریہ۔ مبدّل بہ دمِ سرد ہُوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال
ہو گیا۔ گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

ہے مجھے ابرِ بہاری کا۔ برس کر کھُلنا
روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا

گر نہیں نکہتِ گل کو ترے کوچہ کی ہوس
کیوں ہے؟ گردِ رہِ جولانِ صبا ہو جانا

تاکہ۔ تجھ پر کھُلے اعجازِ ہوائے صیقل
دیکھ برسات میں سبز آئینے کا ہو جانا

بخشے ہے جلوۂ گُل۔ ذوقِ تماشا غالب
چشم کو چاہیئے ہر رنگ میں وا ہو جانا

ردیف (ب)

(۴۹)

پھر ہوا وقت۔ کہ ہو بال کشا۔ موجِ شراب
دے بطِ مے کو۔ دل و دستِ شنا موجِ شراب

پوچھ مت۔ وجہِ سیہ مستیِ اربابِ چمن
سایۂ تاک میں ہوتی ہے۔ ہوا۔ موجِ شراب

جو ہوا غرقۂ مے بختِ رسا رکھتا ہے
سر سے گزرے پہ بھی ہے بالِ ہما موجِ شراب

ہے یہ برسات وہ موسم۔ کہ عجب کیا ہے؟ اگر
موجِ ہستی کو۔ کرے فیضِ ہوا۔ موجِ شراب

جس قدر روحِ نباتی ہی جگر تشنۂ ناز
دے ہی تسکیں بدمِ آبِ بقا موجِ شراب

بس کہ دوڑے ہی رگِ تاک میں خوں ہو ہو کر
شہپرِ رنگ سے ہی بال کشا موجِ شراب

موجۂ گل سے چراغاں ہی گزرگاہِ خیال
ہی تصوّر میں زبس جلوہ نما موجِ شراب

نشے کے پردے میں ہی محوِ تماشائے دماغ
بس کہ رکھتی ہی سرِ نشو و نما موجِ شراب

ایک عالم پہ ہیں طوفانیٔ کیفیتِ فصل
موجۂ سبزۂ نوخیز سے تا موجِ شراب

شرحِ ہنگامۂ ہستی ہی زہے موسمِ گل
رہبرِ قطرہ بہ دریا ہی خوشا موجِ شراب

ہوش اُڑتے ہیں مرے جلوۂ گل دیکھ اسد
پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب

ردیف (ت)

(۵۰)
افسوس کہ دیداں کا کیا رزق فلک نے
جن لوگوں کی تھی درخورِ عقدِ گہر انگشت

کافی ہی نشانی تری چھلّے کا نہ دینا
خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت

لکھتا ہوں اسد سوزشِ دل سے سخنِ گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت

(۵۱)
رہا گر کوئی تا قیامت سلامت
پھر اک روز مرنا ہی حضرت سلامت

جگر کو مرے عشقِ خوں نابہ مشرب
لکھے ہی خداوندِ نعمت سلامت

علی الرغم دشمن شہیدِ وفا ہوں
مبارک مبارک سلامت سلامت

نہیں گر۔ سر و برگِ ادراکِ معنی
تماشائے نیرنگِ صورت سلامت

(۵۲) مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب
یار لائے مری بالیں پہ اُسے۔ پر۔ کس وقت!

(۵۳) آمدِ خط سے ہوا ہی سرد۔ جو۔ بازارِ دوست
دودِ شمعِ کشتہ تھا۔ شاید خطِ رخسارِ دوست

اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
کون لاسکتا ہی تابِ جلوۂ دیدارِ دوست؟

خانہ ویراں سازیٔ حیرت تماشا کیجیے
صورتِ نقشِ قدم ہوں۔ رفتۂ رفتارِ دوست

عشق میں۔ بیداد رشکِ غیر نے مارا مجھے
کشتۂ دشمن ہوں آخر۔ گرچہ تھا بیمارِ دوست

چشمِ مارو شن۔ کہ اُس بے درد کا دل شاد ہی
دیدۂ پُرخوں ہمارا۔ ساغرِ سرشارِ دوست

غیر یوں کرتا ہی میری پرسش اُس کے ہجر میں
بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوارِ دوست

تاکہ میں جانوں کہ ہی اُس کی رسائی واں تلک
مجھ کو دیتا ہی۔ پیامِ وعدۂ دیدارِ دوست

جب کہ میں کرتا ہوں اپنا شکوۂ ضعفِ دماغ
سر کرے ہی۔ وہ حدیثِ زلفِ عنبر بارِ دوست

چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہی۔ اگر
ہنس کے کرتا ہی بیانِ شوخیٔ گفتارِ دوست

مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجیے!
یا بیاں کیجے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آئی ہی آپ
ہی ردیفِ شعر میں غالب ز بس تکرارِ دوست

ردیف (ج)

(۵۴) گلشن میں بندوبست بہ رنگِ دگر ہی آج
قمری کا طوق۔ حلقۂ بیرونِ در ہی آج

آتا ہی ایک پارۂ دل۔ ہر فغاں کے ساتھ		تارِ نفس کمندِ شکارِ اثر ہی آج
اے عافیت کنارہ کر۔ اے انتظام چل		سیلابِ گریہ درپئے دیوارِ در ہی آج
لو ہم مریضِ عشق کے تیماردار ہیں	(۵۵)	اچھا اگر نہ ہو۔ تو مسیحا کا کیا علاج

ردیف (چ)

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ	(۵۶)	اگر شراب نہیں۔ انتظارِ ساغر کھینچ
کمالِ گرمیِ سعیِ تلاشِ دید۔ نہ پوچھ		برنگِ خار مرے آئینے سے جوہر کھینچ
تجھے بہانۂ راحت ہی۔ انتظار۔ اے دل		کیا ہی کس نے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ
تری طرف ہی بحسرت۔ نظارۂ نرگس		بکوریِ دل و چشمِ رقیب۔ ساغر کھینچ
بہ نیم غمزہ۔ ادا کر۔ حقِ ودیعتِ ناز		نیامِ پردۂ زخمِ جگر سے خنجر کھینچ
مرے قدح میں ہی۔ صہبائے آتشِ پنہاں		بروئے سفرہ۔ کبابِ دلِ سمندر کھینچ

ردیف (د)

حسن۔ غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد	(۵۷)	بارے آرام سے ہیں۔ اہلِ جفا میرے بعد
منصبِ شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا		ہوئی معزولیِ انداز و ادا میرے بعد
شمع بجھتی ہی۔ تو اُس میں سے دھواں اُٹھتا ہی		شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد
خوں ہی دل خاک میں۔ احوالِ بتاں پر یعنی		اُن کے ناخن ہوئے محتاجِ حنا میرے بعد
درخورِ عرض نہیں۔ جوہرِ بیداد کو۔ جا		نگہِ ناز ہی سرمے سے خفا میرے بعد

ہی جنوں - اہلِ جنوں کے لیے - آغوشِ وداع | چاک ہوتا ہی گریباں سے جدا میرے بعد
کون ہوتا ہی حریفِ مئے مرد افگنِ عشق؟ | ہی مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد
غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی | کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد

آئے ہی بیکسیٔ عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

ردیف (ر)

(۵۸)

بلا سے ہیں - جو یہ پیشِ نظر در و دیوار | نگاہِ شوق کو ہیں - بال و پر در و دیوار
وفورِ اشک نے - کاشانے کا کیا یہ رنگ | کہ ہو گئے مرے دیوار و در - در و دیوار
نہیں ہی سایہ - کہ سُن کر نویدِ مقدمِ یار | گئے ہیں چند قدم پیشتر - در و دیوار
ہوئی ہی کس قدر ارزانیٔ مئے جلوہ | کہ مست ہی ترے کوچے میں ہر در و دیوار
جو ہی تجھے سرِ سودائے انتظار - تو آ! | کہ ہیں دُکانِ متاعِ نظر - در و دیوار
ہجومِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے | کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر - در و دیوار
وہ آرہا مرے ہمسائے میں تو سائے سے | ہوئے فدا در و دیوار پر - در و دیوار
نظر میں کھٹکے ہی بن تیرے گھر کی آبادی | ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر - در و دیوار
نہ پوچھ بے خودیِ عیشِ مقدمِ سیلاب | کہ ناچتے ہیں پڑے - سر بسر در و دیوار

نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہیں زمانے میں
حریفِ رازِ محبت - مگر در و دیوار

(۵۹)

گھر جب بنا لیا ترے در پر - کہے بغیر
جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر؟ کہے بغیر

کہتے ہیں - جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن
"جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر

کام اُس سے آ پڑا ہے - کہ جس کا جہان میں
لیوے نہ کوئی نام ستمگر - کہے بغیر

جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے وگرنہ - ہم
سر جائے یا رہے نہ رہیں - پر کہے بغیر

چھوڑوں گا میں - نہ اُس بتِ کافر کا پوجنا
چھوڑے نہ خلق - گو - مجھے کافر کہے بغیر

مقصد ہے ناز و غمزہ - ولے - گفتگو میں - کام
نبتی نہیں ہے - بادہ و ساغر کہے بغیر

بہرا ہوں میں - تو چاہیئے - دونا ہو التفات
سنتا نہیں ہوں بات مکرّر کہے بغیر

غالب - نہ کر حضور میں تو بار بار عرض
ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کہے بغیر

(۶۰)

کیوں جل گیا نہ تابِ رخِ یار دیکھ کر؟
جلتا ہوں - اپنی طاقتِ دیدار - دیکھ کر

آتش پرست کہتے ہیں - اہلِ جہاں مجھے
سرگرم نالہ ہائے شرر بار - دیکھ کر

کیا آبروئے عشق جہاں عام ہو جفا!
رکتا ہوں - تم کو بے سبب آزار دیکھ کر

آتا ہے میرے قتل کو - پر جوشِ رشک سے
مرتا ہوں اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

ثابت ہوا ہے - گردنِ مینا پہ خونِ خلق
لرزے ہے موجِ مَے تری رفتار دیکھ کر

واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریصِ لذّتِ آزار دیکھ کر

بک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ
لیکن عیارِ طبعِ خریدار دیکھ کر

زنّار باندھ - سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال
رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر

ان آبلوں سے پانوں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُرخار دیکھ کر

کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینے میں مرے
طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلّی۔ نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ۔ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

سر پھوڑنا وہ غالبِ شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے۔ تری دیوار دیکھ کر

(۶۱)

لرزتا ہی مرا دل۔ زحمتِ مہرِ درخشاں پر
میں ہوں وہ قطرۂ شبنم۔ کہ ہو خارِ بیاباں پر

نہ چھوڑی حضرتِ یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہی زنداں پر

فنا۔ تعلیمِ درسِ بیخودی ہوں اُس زمانے سے
کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر

فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویشِ مرہم سے
بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل نمکداں پر

نہیں اقلیمِ الفت میں۔ کوئی طومارِ ناز ایسا
کہ پشتِ چشم سے جس کی نہ ہووے مُہر عنواں پر

مجھے۔ اب دیکھ کر ابرِ شفق آلودہ یاد آیا
کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر

بجز پروازِ شوقِ ناز۔ کیا باقی رہا ہوگا؟
قیامت اِک ہوائے تند ہی خاکِ شہیداں پر

نہ لڑ ناصح سے غالب۔ کیا ہوا گر اُس نے شدّت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہی گریباں پر

(۶۲)

ہی بس کہ۔ ہر اِک اُن کے اشارے میں نشاں اور
کرتے ہیں محبت۔ تو گزرتا ہی گماں اور

یارب۔ وہ نہ سمجھے ہیں۔ نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل اُن کو۔ جو نہ دے مجھ کو زباں اور

ابروسے ہی کیا اُس نگہِ ناز کو پیوند
ہی تیر مقرر۔ مگر اُس کی ہی کماں اور

تم شہر میں ہو۔ تو ہمیں کیا غم؟ جب اُٹھیں گے
لے آئیں گے بازار سے۔ جاکر۔ دل وجاں اور

ہرچند سُبک دست ہوئے بُت شکنی میں
ہم ہیں۔ تو ابھی راہ میں ہی سنگِ گراں اور

ہی خونِ جگر جوش میں دل کھول کے روتا
ہوتے جو کئی۔ دیدۂ خوں نابہ فشاں اور

مرتا ہوں۔ اس آواز پہ۔ ہرچند۔ سر اُڑ جائے
جلّاد کو۔ لیکن وہ کہے جائیں کہ "ہاں اور"

لوگوں کو ہی۔ خورشیدِ جہاں تاب کا دھوکا
ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغِ نہاں اور

لیتا نہ اگر دل تمہیں دیتا۔ کوئی دم چین
کرتا۔ جو نہ مرتا۔ کوئی دن۔ آہ وفغاں اور

پاتے نہیں جب راہ۔ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رُکتی ہی مری طبع تو ہوتی ہی رواں اور

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں۔ کہ "غالب" کا ہی اندازِ بیاں اور"

(۶۳) صفائے حیرتِ آئینہ ہی۔ سامانِ زنگ آخر
تغیر آبِ برجا ماندہ کا۔ پاتا ہی رنگ آخر

نہ کی سامانِ عیش وجاہ نے تدبیر وحشت کی
ہوا جامِ زمرّد بھی۔ مجھے داغِ پلنگ آخر

(۶۴)

جنوں کی دست گیری کس سے ہو؟ گر ہو نہ عریانی
گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر

برنگِ کاغذِ آتش زدہ نیرنگِ بے تابی
ہزار آئینہ دل باندھے ہے۔ بالِ یک تپیدن پر

فلک سے ہم کو۔ عیشِ رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے؟
متاعِ بردہ۔ کو سمجھے ہوئے ہیں۔ قرض رہزن پر

ہم۔ اور وہ بے سبب رنج۔ آشنا دشمن۔ کہ رکھتا ہے
شعاعِ مہر سے تہمت نگہ کی۔ چشمِ روزن پر

فنا کو سونپ کر۔ مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
فروغِ طالعِ خاشاک ہے موقوف گلخن پر

اسدؔ۔ بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
کہ مشقِ ناز کر۔ خونِ دو عالم میری گردن پر

ستم کش مصلحت سے ہوں۔ کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہیں
تکلف برطرف۔ مل جائے گا تجھ سا رقیب آخر

(۶۵)

لازم تھا۔ کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں؟ اب رہو تنہا کوئی دن اور

مٹ جائے گا سر۔ گر ترا پتھر نہ گھسے گا
ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

آئے ہو کل۔ اور آج ہی کہتے ہو کہ "جاؤں"
مانا۔ کہ ہمیشہ نہیں۔ اچھا۔ کوئی دن اور

جاتے ہوئے کہتے ہو" قیامت کو ملیں گے"
کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ہاں اے فلکِ پیر۔ جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا؟ کوئی دن اور

تم ماہِ شبِ چار دہم تھے مرے گھر کے
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

تم کون سے ایسے تھے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

مجھ سے تمہیں نفرت سہی - نیر سے لڑائی
بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

گزری نہ بہرحال یہ مدت خوش و ناخوش؟
کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور

ناداں ہو جو کہتے ہو - کہ - کیوں جیتے ہیں غالب؟
قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

ردیف (ز)

(٦٦)

فارغ مجھے نہ جان - کہ مانندِ صبح و مہر
ہے داغِ عشق زینتِ جیبِ کفن ہنوز

ہے نازِ مفلساں زرِ از دست رفتہ - پر
ہوں گل فروشِ شوخیٔ داغِ کہن ہنوز

میخانۂ جگر میں - یہاں خاک بھی نہیں
خمیازہ کھینچے ہے بتِ بیداد فن ہنوز

(٦٧)

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں - فسونِ نیاز
دعا قبول ہو یا رب - کہ عمرِ خضر دراز

نہ ہو بہ ہرزہ - بیاباں نوردِ وہمِ وجود
ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز

وصال - جلوہ تماشا ہے - پر دماغ کہاں
کہ دیجے آئینۂ انتظار کو پرواز

ہر ایک ذرۂ عاشق ہے آفتاب پرست
گئی نہ خاک ہوئے پر ہوائے جلوۂ ناز

نہ پوچھ وسعتِ میخانۂ جنوں غالب!
جہاں یہ کاسۂ گردوں ہے - ایک خاک انداز

وسعتِ سعیِ کرم دیکھ۔ کہ سرتا سر خاک
گزرے ہی۔ آبلہ پا ابرِ گہر بار۔ ہنوز (۴۸)

یک قلم۔ کاغذِ آتش زدہ ہی۔ صفحۂ دشت
نقشِ پا میں ہی تپ گرمیٔ رفتار۔ ہنوز

کیوں کر۔ اُس بُت سے رکھوں جان عزیز؟
کیا نہیں ہی مجھے ایمان عزیز؟ (۴۹)

دل سے نکلا۔ پہ نہ نکلا دل سے
ہی ترے تیر کا پیکان عزیز

تاب لائے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہی اور جان عزیز

نہ گُلِ نغمہ ہوں۔ نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز (۵۰)

تو۔ اور آرائشِ خمِ کاکل
میں اور اندیشہ ہائے دور و دراز

لافِ تمکیں۔ فریبِ سادہ دلی
ہم ہیں۔ اور راز ہائے سینہ گداز

ہوں گرفتارِ اُلفتِ صیاد
ورنہ باقی ہی طاقتِ پرواز

وہ بھی دن ہو کہ اُس ستم گر سے
ناز کھینچوں۔ بجائے حسرتِ ناز

نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خوں
جس سے مژگاں ہوئی نہ ہو گلباز

اے ترا جلوہ۔ یک قلم انگیز
اے ترا ظلم۔ سر بہ سر انداز

تو ہوا جلوہ گر۔ مبارک ہو
ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز

مجھ کو پوچھا۔ تو کچھ غضب نہ ہوا
میں غریب اور تو غریب نواز

اسد اللہ خاں۔ تمام ہوا
اے دریغا۔ وہ رندِ شاہد باز

ردیف س

(۷۱)

مژدہ - اے ذوقِ اسیری - کہ نظر آتا ہی
دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس

جگر تشنۂ آزار - تسلّی نہ ہوا
جوئے خوں ہم نے بہائی - بُنِ ہر خار کے پاس

مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہی ہی!
خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس

میں بھی رُک رُک کے نہ مرتا - جو زباں کے بدلے
دشنہ اِک تیز سا ہوتا - مرے غمخوار کے پاس

دہنِ شیر میں جا بیٹھئے - لیکن اے دِل!
نہ کھڑے ہوجیئے خوبانِ دِل آزار کے پاس

دیکھ کر تجھ کو - چمن - بس کہ نمو کرتا ہی
خود بہ خود - پہنچے ہی گُل - گوشۂ دستار کے پاس

مرگیا پھوڑ کے سر غالبِ وحشی - ہی ہی -
بیٹھنا اُس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

ردیف (ش)

(۷۲)

نہ لیوے گر - خسِ جوہر - طراوت سبزۂ خط سے
لگادے خانۂ آئینہ میں - روئے نگار آتش

فروغِ حسن سے ہوتی ہی حلِّ مشکلِ عاشق
نہ نکلے - شمع کے پا سے - نکالے گر نہ خار آتش

ردیف (ع)

جادۂ رہ۔ خور کو وقتِ شام ہی تارِ شعاع
چرخ وا کرتا ہی ماہِ نو سے آغوشِ وداع

(۴۳)

رُخِ نگار سے ہی۔ سوزِ جاودانیِ شمع
ہوئی ہی۔ آتشِ گُل۔ آبِ زندگانیِ شمع

زبانِ اہلِ زباں میں ہی۔ مرگ۔ خاموشی
یہ بات بزم میں۔ روشن ہوئی زبانیِ شمع

کرے ہی صرف بہ ایمائے شعلہ قصہ تمام
بہ طرزِ اہلِ فنا ہی۔ فسانہ خوانیِ شمع

غم اُس کو حسرتِ پروانہ کا ہی۔ اے شعلہ!
ترے لرزنے سے ظاہر ہی ناتوانیِ شمع

ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہی
بہ جلوہ ریزیِ باد۔ وبہ پرفشانیِ شمع

نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ
شگفتگی ہی شہیدِ گُلِ خزانیِ شمع

جلے ہی۔ دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو،
نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانیِ شمع؟

ردیف (ف)

(۴۴)

بیمِ رقیب سے نہیں کرتے وداعِ ہوش
مجبور یاں تلک ہوئے۔ اے اختیار حیف!

جلتا ہی دل۔ کہ کیوں نہ ہم اِک بار جل گئے؟
اے ناتمامیِ نفسِ شعلہ بار حیف!

ردیف (ک)

(۷۵)

زخم پر چھڑکیں کہاں - طفلانِ بے پروا نمک
کیا مزہ ہوتا - اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک

گردِ راہِ یار - ہے سامانِ نازِ زخمِ دل
ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک

مجھ کو ارزانی رہے تجھ کو مبارک ہو جیو
نالۂ بلبل کا درد - اور خندۂ گل کا نمک

شورِ جولاں تھا کنارِ بحر پر کس کا؟ کہ آج
گردِ ساحل ہے - بہ زخمِ موجۂ دریا نمک

داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی - واہ واہ
یاد کرتا ہے مجھے - دیکھے ہے وہ جس جا نمک

چھوڑ کر جانا تنِ مجروحِ عاشق - حیف ہے
دل طلب کرتا ہے زخم - اور مانگیں ہیں اعضا نمک

غیر کی منت نہ کھینچوں گا - پئے توفیرِ درد -
زخم مثلِ خندۂ قاتل ہے - سرتاپا نمک

یاد ہیں غالب - تجھے وہ دن کہ وجدِ ذوق میں
زخم سے گرتا - تو میں پلکوں سے چنتا تھا نمک

(۷۶)

آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے - تری زلف کے سر ہونے تک

دامِ ہر موج میں ہے - حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے - قطرے پہ گہر ہونے تک

عاشقی صبر طلب - اور تمنا بیتاب
دل کا کیا رنگ کروں - خونِ جگر ہونے تک

ہم نے مانا - کہ تغافل نہ کرو گے - لیکن!
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل
گرمیٔ بزم ہے - یک رقصِ شرر ہونے تک

غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

ردیف (گ)

گر تجھ کو ہی یقینِ اجابت دعا نہ مانگ
یعنی - بغیر یک دلِ بے مدعا۔ نہ مانگ (۷۷)

آتا ہی داغِ حسرتِ دل کا شمار - یاد
مجھ سے - مرے گنہ کا حساب - اے خدا۔ نہ مانگ

ردیف (ل)

ہی کس قدر ہلاکِ فریبِ وفائے گل!
بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل (۷۸)

آزادیٔ نسیم مبارک - کہ ہر طرف
ٹوٹے پڑے ہیں حلقۂ دامِ ہوائے گل

جو تھا - سو موجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا
اے وائے - نالۂ لبِ خونیں نوائے گل

خوش حال اس حریفِ سیہ مست کا - کہ جو
رکھتا ہو - مثلِ سایۂ گل - سر بہ پائے گل

ایجاد کرتی ہی اسے تیرے لیے بہار
میرا رقیب ہی نفسِ عطر سائے گل

شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے
مینائے بے شراب - و - دلِ بے ہوائے گل

سطوت سے تیرے جلوۂ حسنِ غیور کی
خوں ہی مری نگاہ میں رنگِ ادائے گل

تیرے ہی جلوے کا ہی یہ دھوکا کہ آج تک
بے اختیار - دوڑے ہی گل - در قفائے گل

غالب - مجھے ہی اس سے ہم آغوشی آرزو
جس کا خیال ہی - گلِ جیبِ قبائے گل

ردیف (م)

غم نہیں ہوتا ہی آزادوں کو بیش از یک نفس (۷۹)
برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم
محفلیں برہم کرے ہی۔ گنجفہ بازِ خیال
ہیں ورق گردانیِ نیرنگِ یک بت خانہ ہم
باوجودِ یک جہاں۔ ہنگامہ پیدائی نہیں
ہیں چراغانِ شبستانِ دلِ پروانہ ہم
ضعف سے ہی۔ نہ قناعت سے یہ ترکِ جستجو
ہیں وبالِ تکیہ گاہِ ہمّتِ مردانہ ہم

دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسد
جانتے ہیں سینۂ پرخوں کو۔ زنداں خانہ ہم

بہ نالہ حاصلِ دلبستگی فراہم کر (۸۰) متاعِ خانۂ زنجیر جز صدا معلوم

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور (۸۱) رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم
وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہی اے خدا رکھ لیجو میرے دعویٰ وارستگی کی شرم

ردیف (ل)

(۸۴)

لوں - وام بختِ خفتہ سے - یک خوابِ خوش - ولے
غالب - یہ خوف ہی کہ کہاں سے ادا کروں

(۸۵)

وہ فراق اور وہ وصال کہاں؟
وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں؟

فرصتِ کاروبارِ شوق کسے؟
ذوقِ نظارۂ جمال کہاں؟

دل تو دل - وہ دماغ بھی نہ رہا
شورِ سودائے خط و خال کہاں؟

تھی وہ اِک شخص کے تصوّر سے
اب وہ رعنائیِ خیال کہاں؟

ایسا آساں نہیں لہو رونا
دل میں طاقت - جگر میں حال کہاں؟

ہم سے چھوٹا قمارخانۂ عشق!
واں جو جاویں گرہ میں مال کہاں؟

فکرِ دنیا میں سر کھپاتا ہوں
میں کہاں؟ اور یہ وبال کہاں؟

مضمحل ہوگئے قویٰ غالب
وہ عناصر میں اعتدال کہاں؟

(۸۶)

کی وفا ہم سے تو غیر اُس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہی کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

آج ہم اپنی پریشانیِ خاطر - اُن سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھیے کیا کہتے ہیں

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ - انھیں کچھ نہ کہو
جو مَے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں

دل میں آجائے ہی - ہوتی ہی جو فرصت غش سے
اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں

ہی پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود
قبلے کو۔ اہلِ نظر۔ قبلہ نما کہتے ہیں

پائے افگار۔ پہ جب سے تجھے رحم آیا ہی
خارِ رہ کو ترے۔ ہم مہرِ گیا کہتے ہیں

اک شرر دل میں ہی۔ اس سے کوئی گھبرائے گا کیا
آگ مطلوب ہی ہم کو۔ جو ہوا کہتے ہیں

دیکھیے۔ لاتی ہی اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ
اُس کی ہر بات پہ۔ ہم "نامِ خدا" کہتے ہیں

وحشت و شیفتہ۔ اب مرثیہ کہویں شاید
مرگیا غالبِ آشفتہ نوا کہتے ہیں

(۸۵)

آب رو کیا خاک۔ اُس گل کی۔ کہ گلشن میں نہیں
ہی گریباں ننگِ پیراہن۔ جو دامن میں نہیں

ضعف سے اے گریہ۔ کچھ باقی مرے تن میں نہیں
رنگ ہو کر اُڑ گیا۔ جو خوں۔ کہ دامن میں نہیں

ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہِ آفتاب
ذرّے اُس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں

کیا کہوں۔ تاریکیِ زندانِ غم۔ اندھیر ہی!
پنبہ۔ نورِ صبح سے کم۔ جس کے روزن میں نہیں

رونقِ ہستی ہی۔ عشقِ خانہ ویراں ساز سے
انجمن بے شمع ہی۔ گر برق خرمن میں نہیں

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہی طعن
غیر سمجھا ہی کہ لذّت زخمِ سوزن میں نہیں

بس کہ ہیں ہم اِک بہارِ ناز کے مارے ہوئے
جلوۂ گُل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں

قطرہ قطرہ اِک ہیولیٰ ہے۔ نئے ناسور کا
خوں بھی ذوقِ درد سے فارغ مرے تن میں نہیں

لے گئی۔ ساقی کی نخوت۔ قلزم آشامی مری
موجِ مے کی۔ آج رگ۔ مینا کی۔ گردن میں نہیں

ہو فشارِ ضعف میں۔ کیا ناتوانی کی نمود؟
قد کے۔ جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن میں نہیں

تھی وطن میں شان کیا غالب؟ کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں۔ وہ مشتِ خس۔ کہ گلخن میں نہیں

(٨٦)

عہدے سے مدحِ ناز کے باہر نہ آ سکا
گر اِک ادا ہو تو اُسے اپنی قضا کہوں

حلقے ہیں چشم ہائے کشادہ بسوئے دل
ہر تارِ زُلف کو نگہِ سُرمہ سا کہوں

میں۔ اور صد ہزار نوائے جگر خراش
تو۔ اور ایک وہ نہ شنیدن۔ کہ کیا کہوں

ظالم مرے گماں سے۔ مجھے منفعل نہ چاہ
ہے ہے۔ خدا نہ کردہ۔ تجھے۔ بے وفا کہوں

(٨٧)

مہرباں ہو کے بُلا لو۔ مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

ضعف میں طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے؟
بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ اُٹھا بھی نہ سکوں

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر۔ ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

(۸۸)

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن

غرۂ اوجِ بنائے عالمِ امکاں نہ پوچھ
اس بلندی کے نصیبوں میں ہی پستی ایک دن

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائیگا یہ سازِ ہستی ایک دن

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

(۸۹)

ہم پر جفا سے - ترکِ وفا کا گماں نہیں
اک چھیڑ ہی - وگرنہ - مراد امتحاں نہیں

کس منہ سے شکر کیجیے اس لطفِ خاص کا
پرسش ہی اور پائے سخن درمیاں نہیں

ہم کو ستم عزیز - ستمگر کو ہم عزیز
نامہرباں نہیں ہی - اگر مہرباں نہیں

بوسہ نہیں - نہ دیجیے - دشنام ہی سہی
آخر زباں تو رکھتے ہو تم گر دہاں نہیں

ق

ہر چند - جاں گدازیِ قہر و عتاب ہی
ہر چند - پشت گرمیِ تاب و تواں نہیں

جاں بمطربِ ترانۂ ہل من مزید ہی
لب - پردہ سنجِ زمزمۂ الاماں نہیں

خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دونیم
دل میں چھری چبھو - مژہ گر خونچکاں نہیں

ہی ننگِ سینہ - دل اگر آتش کدہ نہ ہو
ہی عارِ دل - نفس - اگر آذر فشاں نہیں

نقصاں نہیں - جنوں میں - بلا سے ہو گھر خراب
سو گز زمیں کے بدلے بیاباں - گراں نہیں

کہتے ہو "کیا لکھا ہی تری سرنوشت میں"؟
گویا جبیں پہ سجدۂ بت کا نشاں نہیں

پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے سخن کی میں
روح القدس اگرچہ مرا ہم زباں نہیں

جاں ہی بہائے بوسہ - ولے کیوں کہے ابھی؟
غالب کو جانتا ہی کہ وہ نیم جاں نہیں

مانعِ دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں	(٩٠)	ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں
شوق اس دشت میں دوڑائے ہے مجھ کو کہ جہاں		جادہ۔ غیر از نگہِ دیدۂ تصویر۔ نہیں
حسرتِ لذتِ آزار۔ رہی جاتی ہے		جادۂ راہِ وفا۔ جز دمِ شمشیر۔ نہیں
رنجِ نومیدیٔ جاوید۔ گوارا رہیو		خوش ہوں۔ گر نالہ زبونی کشِ تاثیر نہیں
سر کھجاتا ہے۔ جہاں زخمِ سر اچھا ہو جائے		لذتِ سنگ بہ اندازۂ تقریر نہیں
جب کرم رخصتِ بیباکی و گستاخی دے		کوئی تقصیر۔ بجز خجلتِ تقصیر نہیں

غالب۔ اپنا یہ عقیدہ ہے۔ بقولِ ناسخ
"آپ بے بہرہ ہے۔ جو معتقدِ میر نہیں"

مت مردمکِ دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں	(٩١)	ہیں جمع سویدائے دلِ چشم میں آہیں

پرتگالِ دیدۂ عاشق ہے۔ دیکھا چاہیے	(٩٢)	کھل گئی مانندِ گل سو جا سے دیوارِ چمن
الفتِ گل سے۔ غلط ہے دعویٔ وارستگی		سرو ہے با وصفِ آزادی۔ گرفتارِ چمن

عشق تاثیر سے نومید نہیں	(٩٣)	جاں سپاری شجرِ بید نہیں
سلطنت دست بدست آئی ہے		جامِ مے خاتمِ جمشید نہیں
ہے تجلی تری سامانِ وجود		ذرہ بے پرتوِ خورشید نہیں
رازِ معشوق نہ رسوا ہو جائے		ورنہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں
گردشِ رنگِ طرب سے۔ ڈر ہے		غمِ محرومیٔ جاوید نہیں
کہتے ہیں جیتے ہیں۔ امید پہ لوگ		ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

۹۴

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں — خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

دلِ آشفتگاں خالِ کنجِ دہن کے — سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں

ترے سروِ قامت سے اک قدِ آدم — قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

تماشا کر۔ اے محوِ آئینہ داری — تجھے کس تمنّا سے ہم دیکھتے ہیں

سُراغِ تفِ نالہ لے۔ داغِ دل سے — کہ شب رو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس۔ غالب!
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

۹۵

ملتی ہے خوئے یار سے نار التہاب میں — کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

کب سے ہوں۔ کیا بتاؤں جہانِ خراب میں — شب ہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں

تا۔ پھر نہ انتظار میں نیند آئے عُمر بھر — آنے کا عہد کر گئے۔ آئے جو خواب میں

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں — میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

مجھ تک کب اُن کی بزم میں آتا تھا دورِ جام؟ — ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

جو۔ مُنکرِ وفا ہو۔ فریب اس پہ کیا چلے؟ — کیوں بدگماں ہوں۔ دوست سے دشمن کے باب میں

میں مضطرب ہوں وصل میں۔ خوفِ رقیب سے — ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں

میں اور حظِ وصل۔ خدا ساز بات ہے — جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے — ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا — لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں

وہ نالہ! دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے — جس نالے سے شگاف پڑے آفتاب میں

وہ سحر! مدعا طلبی میں نہ کام آئے! — جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں

غالب۔ چھٹی شراب۔ پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں

(۹۶)

کل کے لیے کر۔ آج۔ نہ خسّت شراب میں
یہ سوءِ ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں

ہیں آج کیوں ذلیل؟ کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیِ فرشتہ ہماری جناب میں

جاں کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دمِ سماع
گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب میں

رَو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے
جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

اصلِ شہود و شاہد و مشہود۔ ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

ہے مشتمل نمودِ صُوَر پر وجودِ بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

شرم اِک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی
ہیں کتنے بے حجاب! کہ ہیں یوں حجاب میں

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیشِ نظر ہے آئنہ دائم نقاب میں

ہے غیب۔ غیب۔ جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

غالب۔ ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغولِ حق ہوں۔ بندگیِ بوتراب میں

(۹۷)

حیراں ہوں۔ دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو۔ تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں
چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر اِک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار
اے کاش! جانتا نہ ترے رہ گزر کو میں
ہو کیا؟ جو کس کے باندھیئے میری بلا ڈرے
کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں
لو- وہ بھی کہتے ہیں "کہ یہ بے ننگ ونام ہے"
یہ جانتا اگر- تو لٹاتا نہ گھر کو میں
چلتا ہوں تھوڑی دور- ہر ایک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں
خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار
کیا پوجتا ہوں اُس بُت بے دادگر کو میں
پھر بے خودی میں بھول گیا راہِ کوئے یار
جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں
اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا
سمجھا ہوں دل پذیر متاعِ ہنر کو میں

غالب- خدا کرے کہ سوارِ سمندِ ناز
دیکھوں علی بہادرِ عالی گہر میں

(۹۸)

ذکر میرا- بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں
غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں
وعدۂ سیر گلستاں ہے- خوشا طالعِ شوق
مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں
شاہدِ ہستیٔ مطلق کی کمر ہے عالم
لوگ کہتے ہیں کہ "ہے" پر ہمیں منظور نہیں

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلیدِ تنک ظرفیِ منصور نہیں

حسرت اے ذوقِ خرابی - کہ وہ طاقت نہ رہی
عشقِ پُر عربدہ کی گوں تنِ رنجور نہیں

ظلم کر ظلم - اگر لطف دریغ آتا ہو
تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

میں جو کہتا ہوں کہ ہم لینگے قیامت میں تمہیں
کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں

صاف دُردی کشِ پیمانۂ جم ہیں ہم لوگ
وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب
میرے دعوی پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

(۹۹)

نالہ - جز حسنِ طلب اے ستم ایجاد نہیں
ہے تقاضائے جفا - شکوۂ بیداد نہیں

عشق - و مزدوریِ عشرت گہِ خسرو کیا خوب
ہم کو تسلیم نکو نامیِ فرہاد نہیں

کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم
دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب
لطمۂ موج - کم از سیلیِ استاد نہیں

وائے محرومیِ تسلیم و بدا حالِ وفا
جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ فریاد نہیں

رنگِ تمکینِ گل و لالہ پریشاں کیوں ہے
گر - چراغانِ سرِ رہ گزرِ باد نہیں؟

سبدِ گل کے تلے بند کرے ہے - گلچیں
مژدہ اے مرغ! کہ گلزار میں صیاد نہیں

نفی سے کرتی ہے اثبات. تراوش گویا
دی ہے - جائے دہن - اُس کو دمِ ایجاد نہیں

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچہ سے بہشت
یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تم کو بے مہریِ یارانِ وطن یاد نہیں؟

(۱۰۰)

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے۔ یہ خوش رہا
یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں
تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتا نہ پائیں۔ تو ناچار کیا کریں؟
کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ۔ اہلِ بزم
ہو غم ہی جاں گداز تو غم خوار کیا کریں؟

ہوگئی ہی غیر کی شیریں بیانی کارگر	۱۰۱	عشق کا اُس کو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں

(۱۰۲)

قیامت ہی۔ کہ سُن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا
تعجب سے وہ بولا "یوں بھی ہوتا ہی زمانے میں"
دلِ نازک پہ اُس کے رحم آتا ہی مجھے غالب
نہ کر سرگرم اُس کافر کو الفت آزمانے میں

دل لگا کر لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا ہیں زوال آمادہ۔ اجزا آفرینش کے تمام	۱۰۳	بارے اپنی بے کسی کی ہم نے پائی داد۔ یاں مہرِ گردوں ہی چراغِ رہ گزارِ باد۔ یاں
یہ ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں نظر لگے نہ کہیں اُس کے دست و بازو کو ترے جواہرِ طرفِ کلہ کو کیا دیکھیں	۱۰۴	کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

۱۰۵

نہیں۔ کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
شبِ فراق سے۔ روزِ جزا زیاد نہیں

کوئی کہے کہ "شبِ مہ میں کیا بُرائی ہے"
بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں

جو آؤں سامنے اُن کے تو مرحبا نہ کہیں
جو جاؤں واں سے کہیں کو تو خیر باد نہیں

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں
کہ "آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں"

علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب
گدائے کوچۂ میخانہ۔ نامراد نہیں

جہاں میں ہو غم و شادی بہم۔ ہمیں کیا کام
دیا ہے ہم کو۔ خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں

تم اُن کے وعدے کا ذکر اُن سے کیوں کرو غالب
یہ کیا؟ کہ تم کہو۔ اور وہ کہیں کہ "یاد نہیں"

۱۰۶

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں
ہم بھی مضموں کی ہوا باندھتے ہیں

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے؟
ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں

تیری فرصت کے مقابل اے عمر!
برق کو پابہ حنا باندھتے ہیں

قیدِ ہستی سے رہائی معلوم
اشک کو بے سر و پا باندھتے ہیں

نشۂ رنگ سے ہے واشدِ گل
مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں

غلطی ہائے مضامیں۔ مت پوچھ
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

اہلِ تدبیر کی واماندگیاں
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

سادہ پُرکار ہیں۔ خوباں غالب
ہم سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں

زمانہ سخت کم آزار ہے بجانِ اسد	۱۰۷	وگرنہ ہم تو زیادہ توقع رکھتے ہیں

(۱۰۸)

دائم پڑا ہوا ترے در پہ نہیں ہوں میں ؟
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل؟
انسان ہوں۔ پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے ؟
لوحِ جہاں پہ۔ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

حد چاہیے۔ سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے؟
لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

رکھتے ہو تم قدم میری آنکھوں سے کیوں دریغ ؟
رتبے میں مہر و ماہ سے کم تر نہیں ہوں میں

کرتے ہو مجھ کو منعِ قدم بوس کس لیے؟
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں؟

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے "نوکر نہیں ہوں میں"

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں (۱۰۹)
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں

یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

تھیں بنات النعش گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں

قید میں یعقوب نے لی گو - نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

ان پری زادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام
قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں

نیند اُس کی ہے - دماغ اُس کا ہے - راتیں اُس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

میں چمن میں کیا گیا گویا - دبستاں کھل گیا
بلبلیں سُنکر مرے نالے - غزل خواں ہو گئیں

وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار؟
جو مری کوتاہیٔ قسمت سے مژگاں ہو گئیں

بس کہ روکا میں نے اور سینے میں ابھریں پے بہ پے
میری آہیں بخیۂ چاکِ گریباں ہو گئیں

واں گیا بھی میں۔ تو اُن کی گالیوں کا کیا جواب
یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں

جاں فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا
سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

رنج سے خوگر ہوا انساں۔ تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

یوں ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا اِن بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

۱۱۰

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہیں
یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں

دل کو نیازِ حسرتِ دیدار کر چکے
دیکھا تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں

ملنا ترا اگر نہیں آساں۔ تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے۔ کہ دشوار بھی نہیں

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے۔ اور یہاں
طاقت بہ قدرِ لذتِ آزار بھی نہیں

شوریدگی کے ہاتھ سے ہے سر وبالِ دوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

گنجائشِ عداوتِ اغیار اک طرف
یاں دل میں ضعف سے ہوسِ یار بھی نہیں

ڈر نالہ ہائے زار سے میرے خدا کو مان
آخر نوائے مرغِ گرفتار بھی نہیں

دل میں ہی یار کی صفِ مژگاں سے روکشی
حال آں کہ طاقتِ خلش خار بھی نہیں

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بارہا
دیوانہ گر نہیں ہی تو ہشیار بھی نہیں

۱۱۱

نہیں ہی زخم کوئی بخیے کے درخور مرے تن میں
ہوا ہی تارِ اشکِ یاس رشتہ چشمِ سوزن میں

ہوئی ہی مانعِ ذوقِ تماشا خانہ ویرانی
کفِ سیلاب باقی ہی برنگِ پنبہ روزن میں

ودیعت خانۂ بیدادِ کاوش ہائے مژگاں ہوں
نگینِ نامِ شاہد ہی مرے ہر قطرۂ خوں تن میں

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی
شبِ مہ ہو جو رکھ دیں پنبہ دیواروں کے روزن میں

نکوہش مانعِ بے ربطیٔ شورِ جنوں آئی
ہوا ہی خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن میں

ہوئے اُس مہر وش کے جلوۂ تمثال کے آگے
پر افشاں جوہر آئینہ میں مثلِ ذرہ روزن میں

نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالف ہی
جو گل ہوں تو ہوں گلخن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں

ہزاروں دل دیے جوشِ جنونِ عشق نے مجھ کو
سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرۂ خوں تن میں

اسد زندانیٔ تاثیرِ الفت ہائے خوباں ہوں
خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہی طوق گردن میں

۱۱۲

مزے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
سوائے خونِ جگر سو جگر میں خاک نہیں

مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے
وگرنہ تاب و تواں بال و پر میں خاک نہیں

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہی؟
کہ غیرِ جلوۂ گل رہ گزر میں خاک نہیں

بھلا اُسے نہ سہی۔ کچھ مجھی کو رحم آتا
اثر مرے نفسِ بے اثر میں خاک نہیں

خیال جلوۂ گل سے خراب ہیں مے کش
شراب خانہ کے دیوار و در میں خاک نہیں

ہوا ہوں عشق کی غارت گری سے شرمندہ
سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسدؔ
کھلا۔ کہ فائدہ عرضِ ہنر میں خاک نہیں

(۱۱۴)

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں؟
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں؟

دیر نہیں۔ حرم نہیں۔ در نہیں آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم غیر ہمیں اٹھائے کیوں؟

جب وہ جمالِ دل فروز صورتِ مہرِ نیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے میں منہ چھپائے کیوں؟

دشنۂ غمزہ جاں ستاں۔ ناوکِ ناز بے پناہ
تیرا ہی عکسِ رخ سہی۔ سامنے تیرے آئے کیوں؟

قیدِ حیات و بندِ غم۔ اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

حسن اور اس پہ حسنِ ظن۔ رہ گئی بوالہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہے۔ غیر کو آزمائے کیوں؟

واں وہ غرورِ عز و ناز۔ یاں یہ حجابِ پاسِ وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں؟ بزم میں وہ بلائے کیوں

ہاں وہ نہیں خدا پرست۔ جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہوں دین و دل عزیز اُس کی گلی میں جائے کیوں؟

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
روئیے زار زار کیا؟ کیجیئے ہائے ہائے کیوں

(۱۱۴)
غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا۔ کہ یوں؟
بوسے کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں
پرسشِ طرزِ دلبری کیجیئے کیا؟ کہ بن کہے
اُس کے ہر اک اشارے سے نکلے ہے یہ ادا کہ یوں
رات کے وقت مے پیے ساتھ رقیب کو لیے
آئے وہ یاں خدا کرے۔ پر نہ کرے خدا کہ یوں
"غیر سے رات کیا بنی" یہ جو کہا۔ تو دیکھیے
سامنے آن بیٹھنا۔ اور یہ دیکھنا۔ کہ یوں
بزم میں اُس کے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھیے
اُس کی تو خامشی میں بھی ہے یہی مدعا کہ یوں
میں نے کہا کہ "بزمِ ناز چاہیئے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اُٹھا دیا کہ یوں
مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح"؟
دیکھ کے میری بےخودی چلنے لگی ہوا کہ یوں
کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی؟
آئنہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پا۔ کہ یوں

گر ترے دل میں ہو خیال، وصل میں شوق کا زوال؟
موجِ محیطِ آب میں۔ مارے ہی دست و پا کہ یوں

جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کہ ہو رشکِ فارسی
گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے سنا کہ یوں

ردیف و

(۱۱۵)
حسد سے دل اگر افسردہ ہی گرمِ تماشا ہو
کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

بہ قدرِ حسرتِ دل چاہیے ذوقِ معاصی بھی
بھروں یک گوشۂ دامن۔ گر آبِ ہفت دریا ہو

اگر وہ سروِ قد۔ گرمِ خرامِ ناز آجاوے
کفِ ہر خاکِ گلشن۔ شکلِ قمری نالہ فرسا ہو

۱۱۶
کعبے میں جا رہا۔ تو نہ دو طعنہ کیا کہیں
بھولا ہوں حقِ صحبتِ اہلِ کنشت کو

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لیکر بہشت کو

ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے
ٹیڑھا لگا ہی قط۔ قلمِ سرنوشت کو

آئی اگر بلا تو جگر سے ٹلی نہیں
ایرا ہی دے کے ہم نے بچایا ہی کشت کو

غالب کچھ اپنی سعی سے۔ لہنا نہیں مجھے
خرمن جلے۔ اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

۱۱۷
وارستہ اس سے ہیں۔ کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
کیجیے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا
ہے مجھ کو تجھ سے "تذکرۂ غیر کا گلہ
پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں "ہر درد کی دوا"
ڈالا نہ بے کسی نے کسی سے معاملہ
ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال
ہنگامۂ زبونیٔ ہمت ہے۔ انفعال
وارستگی۔ بہانۂ بیگانگی نہیں
مٹتا ہے فوت فرصت ہستی کا غم کوئی؟

ہے دل پہ بار نقش محبت ہی کیوں نہ ہو
ہر چند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو
یوں ہو تو چارۂ غم الفت ہی کیوں نہ ہو
اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو
ہم انجمن سمجھتے ہیں۔ خلوت ہی کیوں نہ ہو
حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو
اپنے سے کر۔ نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو
عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو

اس فتنہ خو کے در سے اب اٹھتے نہیں اسد
اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

(۱۱۸)

قفس میں ہوں۔ گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
مرا ہونا بُرا کیا ہے نواسنجانِ گلشن کو
نہیں گر ہمدمی آساں۔ نہ ہو۔ یہ رشک کیا کم ہے؟
نہ دی ہوتی خدایا۔ آرزوئے دوست دشمن کو
نہ نکلا آنکھ سے تیری اِک آنسو۔ اُس جراحت پر
کیا سینے میں جس نے خوں چکاں مژگانِ سوزن کو
خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں
نہیں دیکھا شناور جوئے خوں میں تیرے توسن کو

ہوا چرچا جو میرے پاؤں کی زنجیر بننے کا
کیا بیتاب کاں میں جنبشِ جوہر نے آہن کو

خوشی کیا؟ کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے
سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برق خرمن کو

وفاداری بہ شرطِ استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خو مجھ کو
جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

سخن کیا کہہ نہیں سکتے؟ کہ جویاں ہوں جواہر کے
جگر کیا ہم نہیں رکھتے؟ کہ کھودیں جا کے معدن کو

مرے شاہِ سلیماں جاہ سے نسبت نہیں غالب
فریدون و جم و کے خسرو و داراب و بہمن کو

(۱۱۹)

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اُس سیم تن کے پانو
رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پانو

دی سادگی سے جان پڑوں کوہکن کے پانو
ہیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو

بھاگے تھے ہم بہت سو اُسی کی سزا ہی یہ
ہو کر اسیر دابتے ہیں راہزن کے پانو

مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور
تن سے سوا فگار ہیں۔ اس خستہ تن کے پانو

اللہ رے ذوقِ دشت نوردی کہ بعدِ مرگ
ہلتے ہیں خود بخود مرے۔ اندر کفن کے پانو

ہی جوشِ گل بہار میں یاں تک۔ کہ ہر طرف
اُڑتے ہوئے اُلجھتے ہیں مرغِ چمن کے پانو

شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں
دُکھتے ہیں آج اُس بتِ نازک بدن کے پانو

غالب مرے کلام میں کیوں کر مزا نہ ہو!
پیتا ہوں دھو کے خسروِ شیریں سخن کے پانو

(۱۲۰)

واں اُس کو ہولِ دل ہی۔ تو یاں میں ہوں شرمسار
یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو

اپنے کو دیکھتا نہیں۔ ذوقِ ستم تو دیکھ
آئینہ تاکہ دیدۂ نخچیر سے نہ ہو

۱۲۱

واں پہنچ کر جو غش آتا پئے ہم ہے ہم کو
صد رہ آہنگ - زمیں بوس قدم ہے ہم کو

دل کو میں اور مجھے دل محو وفا رکھتا ہے
کس قدر ذوقِ گرفتاریِ ہم ہے ہم کو

ضعف سے نقشِ پئے مور ہے طوقِ گردن
تیرے کوچہ سے کہاں طاقتِ رم ہے ہم کو؟

جان کر کیجے تغافل - کہ کچھ امید بھی ہو
یہ نگاہِ غلط انداز تو سم ہے ہم کو

رشکِ ہم طرحی و دردِ اثرِ بانگِ حزیں
نالۂ مرغِ سحر - تیغِ دو دم ہے ہم کو

سر اڑانے کے جو وعدے کو مکرر چاہا
ہنس کے بولے کہ - "ترے سر کی قسم ہے ہم کو"

دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ؟ ولیکن ناچار
پاسِ بے رونقیِ دیدہ اہم ہے ہم کو

تم وہ نازک - کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو

قطعہ

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا - یعنی
ہوسِ سیر و تماشا - سو وہ کم ہے ہم کو

مقطعِ سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر
عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو

لیے جاتی ہے کہیں - ایک توقع غالب
جادۂ رہ - کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

۱۲۲

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

بچتے نہیں مواخذۂ روزِ حشر سے
قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

کیا وہ بھی بے گنہ کش و حق ناشناس ہیں؟
مانا کہ تم بشر نہیں - خورشید و ماہ ہو

ابھرا ہوا نقاب میں ہے اُن کے ایک تار
مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو

جب مے کدہ چھٹا - تو پھر اب کیا جگہ کی قید
مسجد ہو - مدرسہ ہو - کوئی خانقاہ ہو

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف - سب درست
لیکن خدا کرے وہ ترا جلوہ گاہ ہو

غالب بھی گر نہ ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں
دنیا ہو یا رب! اور مرا بادشاہ ہو

۱۲۳

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیوں کر ہو
کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیوں کر ہو

ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال
کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیوں کر ہو

ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے
حیا ہے اور یہی گو مگو تو کیوں کر ہو

تمہیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا
بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیوں کر ہو

الجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیوں کر ہو

جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیوں کر ہو

ہمیں پھر ان سے امید اور انہیں ہماری قدر
ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیوں کر ہو

غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا
نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیوں کر ہو

بتاؤ اس مژہ کو دیکھ کر ہو مجھ کو قرار؟
یہ نیش ہو رگِ جاں میں فرو تو کیوں کر ہو

مجھے جنوں نہیں غالب۔ ولے بہ قولِ حضور
فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیوں کر ہو

(۱۲۴)

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے۔ ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
سبک سر بن کے کیا پوچھیں؟ کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو؟

کیا غم خوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا رازداں کیوں ہو

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگ دل! تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم!
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

یہ کہہ سکتے ہو؟ "ہم دل میں نہیں ہیں" پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمہیں تم ہو، تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ۔ دیکھو جرم کس کا ہے؟
نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے؟
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

یہی ہے آزمانا۔ تو ستانا کس کو کہتے ہیں؟
عدو کے ہو لیے جب تم۔ تو میرا امتحاں کیوں ہو

کہا تم نے کہ "کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی"
بجا کہتے ہو۔ سچ کہتے ہو۔ پھر کہیو کہ "ہاں کیوں ہو"

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب؟
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

۱۲۵

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

بے در و دیوار سا اِک گھر بنایا چاہیے پڑیے گر بیمار-تو کوئی نہ ہو تیمار دار		کوئی ہم سایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

ردیف (ہ)

از مہر تا بہ ذرّہ-دل و دل ہی آئنہ	۱۲۶	طوطی کو شش جہت سے مقابل ہی آئنہ
ہی سبزہ زار ہر در و دیوارِ غم کدہ ناچار بیکسی کی بھی حسرت اُٹھائیے	۱۲۷	جس کی بہار یہ ہو-پھر اُس کی خزاں نہ پوچھ دشواریِ رہ و ستمِ ہمرہاں نہ پوچھ

ردیف (ی)

صد جلوہ روبرو ہی-جو مژگاں اُٹھائیے ہی سنگ پر براتِ معاشِ جنونِ عشق دیوار-بارِ منتِ مزدور سے ہی خم یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجیے	۱۲۸	طاقت کہاں کہ دید کا احساں اُٹھائیے یعنی ہنوز منّتِ طفلاں اُٹھائیے اے خانماں خراب نہ احساں اُٹھائیے یا پردۂ تبسمِ پنہاں اُٹھائیے
مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیے عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر دے داد اے فلک دلِ حسرت پرست کی سیکھے ہیں مہ رُخوں کے لیے ہم مصوری	۱۲۹	بھوں پاس آنکھ-قبلۂ حاجات چاہیے آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے ہاں کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہیے تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیے

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو؟
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

ہے رنگِ لالہ و گل و نسریں جدا جدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

ق

سر پائے خم پہ چاہیے ہنگام بیخودی
رو سوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہیے

یعنی بہ حسبِ گردشِ پیمانۂ صفات
عارف ہمیشہ مستِ مئے ذات چاہیے

نشو و نما ہے اصل سے غالبؔ فروع کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیے

(۱۳۰)

بساطِ عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خوں۔ وہ بھی
سو رہتا ہے بہ اندازِ چکیدن۔ سر نگوں وہ بھی

رہے اس شوخ سے آزردہ ہم۔ چندے تکلف سے
تکلف برطرف۔ تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی

خیالِ مرگ کب۔ تسکیں دلِ آزردہ کو بخشے
مرے دامِ تمنا میں ہے ایک صیدِ زبوں وہ بھی

نہ کرتا کاشس نالہ۔ مجھ کو کیا معلوم تھا؟ ہمدم!
کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی

نہ اتنا بُرّشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ
مرے دریائے بے تابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی

مئے عشرت کی خواہش۔ ساقیِ گردوں سے کیا کیجے؟
لیے بیٹھا ہے اک دو چار جامِ واژگوں وہ بھی

مرے دل میں ہے غالبؔ شوقِ وصل و شکوہ ہجراں
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں۔ وہ بھی

(۱۳۱)
ہے بزم بتاں میں سخن آزردہ لبوں سے
تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے
ہے دورِ قدح۔ وجہ پریشانیٔ صہبا
یک بار لگا دو خمِ مے میرے لبوں سے
رندانِ درِ میکدہ۔ گستاخ ہیں زاہد
زنہار نہ ہونا طرف۔ ان بے ادبوں سے
بے دادِ وفا دیکھ۔ کہ جاتی رہی آخر
ہر چند مری جان کو تھا ربط لبوں سے

تا۔ ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا ۱۳۲ سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے

غالبؔ۔ ترا احوال سنا دیں گے ہم ان کو
وہ سن کے بلا لیں۔ یہ اجارا نہیں کرتے

(۱۳۳)
گھر میں تھا کیا؟ کہ ترا غم اسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم۔ اک حسرتِ تعمیر سو ہے

غمِ دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی (۱۳۴)
فلک کا دیکھنا۔ تقریب تیرے یاد آنے کی
کھُلے گا کس طرح مضموں مرے مکتوب کا یارب!
قسم کھائی ہے اُس کافر نے کاغذ کے جلانے کی
لپٹنا پرنیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے۔
ولے مشکل ہے حکمت۔ دل میں سوزِ غم چھپانے کی
انھیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا
اُٹھے تھے سیرِ گل کو۔ دیکھنا۔ شوخی بہانے کی
ہماری سادگی تھی۔ التفاتِ ناز پر مرنا
ترا آنا نہ تھا۔ ظالم۔ مگر تمہید جانے کی
کلد کوبِ حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی
مری طاقت کہ ضامن تھی بتوں کے ناز اٹھانے کی

کہوں کیا خوبیِ اوضاعِ ابنائے زماں غالب بدی کی اُس نے۔ جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی اُس شمع کی طرح سے۔ جس کو کوئی بجھا دے	۱۳۵	دلِ جوشِ گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغِ ناتمامی
کیا تنگ ہم ستمزدگاں کا جہان ہے!	۱۳۶	جس میں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے
ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے		پرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

حالاں کہ ہی یہ سیلیِ خارا سے لالہ رنگ
کی اُس نے گرم سینۂ اہلِ ہوس میں جا
کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا؟
بیٹھا ہی جو کہ سایۂ دیوارِ یار میں
ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا

غافل کو میرے شیشے پہ مے کا گمان ہی
آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہی
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہی
فرماں روائے کشورِ ہندوستان ہی
کس سے کہوں کہ داغِ جگر کا نشان ہی

ہی بارے اعتمادِ وفاداری اس قدر
غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہربان ہی

(۱۳۶)

درد سے میرے ہی تجھ کو بے قراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے
تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے
کیوں مری غمخوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال؟
دشمنی اپنی تھی میری دوست داری ہائے ہائے
عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا؟
عمر کو بھی تو نہیں ہی پائے داری ہائے ہائے
زہر لگتی ہی مجھے آب و ہوائے زندگی
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے
گل فشانی ہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا؟
خاک پر ہوتی ہی تیری لالہ کاری ہائے ہائے

شرمِ رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں
ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

خاک میں ناموسِ پیمانِ محبت مل گئی
اُٹھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری ہائے ہائے

ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا
دل پہ اک لگنے نہ پایا زخمِ کاری ہائے ہائے

کس طرح کاٹے کوئی شب ہائے تارِ برشکال
ہے نظر خو کردۂ اختر شماری ہائے ہائے

گوش۔ مہجورِ پیام۔ و چشم محرومِ جمال
ایک دل تس پر یہ نا امیدواری ہائے ہائے

عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی الفت کا رنگ
رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ہائے ہائے

سرگشتگی میں عالمِ ہستی سے یاس ہے
تسکیں کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے

لیتا نہیں۔ مرے دلِ آوارہ کی خبر
اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے

کیجیے بیاں سرورِ تبِ غم۔ کہاں تلک
ہر مو۔ مرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے

ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانۂ وفا
ہر چند اُس کے پاس دلِ حق شناس ہے

پی جس قدر ملے شبِ مہتاب میں شراب
اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

ہر اک مکان کو ہے مکیں سے شرف اسد
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

۱۳۹

گر خامشی سے فائدہ۔ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ
دل۔ فردِ جمع و خرچِ زباں ہائے لال ہے

کس پردے میں ہے آئنہ پرداز اے خدا
رحمت۔ کہ عذر خواہ لبِ بے سوال ہے

ہے ہے خدا نخواستہ۔ وہ، اور دشمنی
اے شوقِ منفعل! یہ تجھے کیا خیال ہے

مشکیں لباسِ کعبہ۔ علی کے قدم سے جان
نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے

وحشت پہ میری عرصۂ آفاق تنگ تھا
دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

(۱۴۰)

تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھود کھود کر پوچھو
حذر کرو مرے دل سے کہ اس میں آگ دبی ہے

دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر
نہ گریۂ سحری ہے نہ آہِ نیم شبی ہے

۱۴۱

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا وہ بھی مٹ گیا
ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

جی جلے ذوقِ فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں؟
ہم نہیں جلتے۔ نفس ہر چند آتش بار ہے

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا
ہر کوئی درماندگی میں نالے سے ناچار ہے

ہے وہی بدمستئ ہر ذرّہ کا خود عذر خواہ
جس کے جلوے سے زمیں تا آسماں سرشار ہے

مجھ سے مت کہہ "تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی"
زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے

آنکھ کی تصویر سرنامہ پہ کھینچی ہے۔ کہ تا
تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے

مصرعِ اول	نمبر	مصرعِ ثانی
پینس میں گزرتے ہیں جو کوچے سے وہ میرے	۱۴۲	کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے
مری ہستی فضائے حیرت آبادِ تمنا ہے	۱۴۳	جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے
خزاں کیا فصلِ گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو		وہی ہم ہیں۔ قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے
وفائے دلبراں ہے اتفاقی۔ ورنہ اے ہمدم		اثر فریادِ دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے؟
نہ لائے شوخیٔ اندیشہ۔ تابِ رنجِ نومیدی		کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

ق

مصرعِ اول	نمبر	مصرعِ ثانی
رحم کر ظالم۔ کہ کیا بودِ چراغِ کشتہ ہے	۱۴۴	نبضِ بیمارِ وفا دودِ چراغِ کشتہ ہے
دل لگی کی آرزو بیچین رکھتی ہے ہمیں		ورنہ یاں بے رونقی۔ سودِ چراغِ کشتہ ہے

(۱۴۵)

چشمِ خوباں۔ خامشی میں بھی نوا پرداز ہے
سرمہ۔ تو کہوے کہ دودِ شعلۂ آواز ہے

پیکرِ عشاق۔ سازِ طالعِ ناساز ہے
نالہ گویا گردشِ سیارہ کی آواز ہے

دستگاہِ دیدۂ خونبارِ مجنوں دیکھنا
یک بیاباں جلوۂ گل۔ فرشِ پا انداز ہے

مصرعِ اول	نمبر	مصرعِ ثانی
عشق مجھ کو نہیں۔ وحشت ہی سہی	۱۴۶	میری وحشت۔ تری شہرت ہی سہی
قطع کیجے نہ تعلق ہم سے		کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی؟		اے وہ مجلس نہیں۔ خلوت ہی سہی
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے		غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

عمر - ہر چند کہ ہے - برق خرام
دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی

ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں؟
نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

کچھ تو دے اے فلکِ ناانصاف
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جائے اسد
گر نہیں وصل - تو حسرت ہی سہی

۱۴۷

ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے
صبح وطن ہے خندۂ دنداں نما مجھے

ڈھونڈھے ہے اس مغنی آتش نفس کو جی
جس کی صدا ہو جلوۂ برقِ فنا مجھے

مستانہ طے کروں ہوں رہ وادیٔ خیال
تا - باز گشت سے نہ رہے مدعا مجھے

کرتا ہے بس کہ باغ میں تو بے حجابیاں
آنے لگی ہے نکہتِ گل سے حیا مجھے

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

(۱۴۸)

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

۱۴۹

اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے
بیٹھا رہا - اگرچہ اشارے ہوا کیے

دل ہی تو ہے سیاستِ درباں سے ڈر گیا
میں اور جاؤں در سے ترے بن صدا کیے

رکھتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ رہنِ مے
مدت ہوئی ہے دعوتِ آب و ہوا کیے

بے صرفہ ہی گزرتی ہے۔ ہو گرچہ عمرِ خضر
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیے

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ "او لئیم!
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے"؟

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو؟
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے؟

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو
دینے لگا ہے بوسے بغیر التجا کیے

ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں
بھولے سے اُس نے سیکڑوں وعدے وفا کیے

غالب۔ تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا
مانا کہ تم کہا کیے۔ اور وہ سنا کیے

١٥٠

رفتارِ عمر قطعِ رہِ اضطراب ہے
اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

مینائے مے ہے سروِ نشاطِ بہار سے
بالِ تدرو جلوۂ موجِ شراب ہے

زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا
نے بھاگنے کی گوں۔ نہ اقامت کی تاب ہے

جادادِ بادہ نوشیِ رنداں ہے شش جہت
غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے

نظّارہ کیا حریف ہو اس برقِ حسن کا
جوشِ بہار۔ جلوے کو جس کے نقاب ہے

میں۔ نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں
مانا کہ تیرے رُخ سے نگہ کامیاب ہے

گزرا اسد مسرتِ پیغامِ یار سے
قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوال و جواب ہے

(١٥١)

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہے
میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

ہاتھ دھو دل سے۔ یہی گرمی گر اندیشے میں ہے
آبگینہ تندیٔ صہبا سے پگھلا جائے ہے

غیر کو۔ یارب۔ وہ کیوں کر منعِ گستاخی کرے
گر حیا بھی اُس کو آتی ہے۔ تو شرما جائے ہے

شوق کو یہ لت۔ کہ ہر دم نالہ کھینچے جایئے
دل کی وہ حالت۔ کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے

دور چشمِ بد۔ تری بزمِ طرب سے واہ واہ
نغمہ ہو جاتا ہے واں۔ گر نالہ میرا جائے ہے

گرچہ ہے طرزِ تغافل پردہ دارِ رازِ عشق
پر ہم۔ ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

اُس کی بزم آرائیاں سن کر۔ دلِ رنجور۔ یاں
مثلِ نقشِ مدعائے غیر۔ بیٹھا جائے ہے

ہو کے عاشق وہ پری رخ۔ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے۔ جتنا کہ اڑتا جائے ہے

نقش کو اُس کے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں
کھینچتا ہے جس قدر۔ اتنا ہی کھنچتا جائے ہے

۳۰۱۰	سایہ میرا مجھ سے مثلِ دود بھاگے ہے اسدؔ پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے	

گرمِ فریاد رکھا۔ شکلِ نہالی نے مجھے	(۱۵۲)	تب اماں ہجر میں دی بردِ لیالی نے مجھے

تنبیہ و تفقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم کثرت آرائیِ وحدت ہے پرستاریِ وہم ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا		لے لیا مجھ سے مری ہمتِ عالی نے مجھے کر دیا کافر ان اصنامِ خیالی نے مجھے عجب آرام دیا بے پروبالی نے مجھے
کارگاہِ ہستی میں۔ لالہ داغ ساماں ہے غنچہ تا شگفتن ہا۔ برگِ عافیت معلوم ہم سے رنجِ بیتابی کس طرح اُٹھایا جائے؟	۱۵۳	برقِ خرمنِ راحت۔ خونِ گرمِ دہقاں ہے باوجودِ دلجمعی۔ خوابِ گُل پریشاں ہے داغِ پشتِ دستِ عجز۔ شعلہ خس بدنداں ہے
اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب	۱۵۴	ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

(۱۵۵)

سادگی پر اُس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

گرچہ ہے کس کس بُرائی سے ولے با ایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے

بس ہجومِ نا امیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اِک لذت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے

رنجِ رہ کیوں کھینچیے؟ واماندگی کو عشق ہے
اُٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم۔ منزل میں ہے

جلوہ زارِ آتشِ دوزخ ہمارا دل سہی
فتنۂ شورِ قیامت کس کی آب و گِل میں ہے

ہے دلِ شوریدۂ غالب طلسمِ پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنّا پر کہ کس مشکل میں ہے

(۱۵۶)

دل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی
دونوں کو اِک ادا میں رضامند کر گئی

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذّتِ فراغ
تکلیفِ پردہ داریِ زخمِ جگر گئی

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اُٹھیے بس اب کہ لذّتِ خوابِ سحر گئی

اڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں
بارے اب اے ہوا ہوسِ بال و پر گئی

دیکھو تو دل فریبیِ اندازِ نقشِ پا
موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی

ہر بوالہوس نے حُسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

نظّارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رُخ پر بکھر گئی

فردا و دی کا تفرقہ یکبار مٹ گیا
کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

مارا زمانے نے اسداللہ خاں تمہیں
وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی؟

(۱۵۷)

تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے
حورانِ خلد میں تری صورت مگر ملے

اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعد قتل
میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے
ساقی گری کی شرم کرو آج۔ ورنہ ہم
ہر شب پیا ہی کرتے ہیں۔ مے جس قدر ملے
تجھ سے تو کچھ کلام نہیں۔ لیکن اے ندیم
میرا سلام کہیو۔ اگر نامہ بر ملے
تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا
فرصت کشاکشِ غمِ پنہاں سے گر ملے
لازم نہیں۔ کہ خضر کی ہم پیروی کریں
جانا۔ کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

اے ساکنانِ کوچۂ دلدار دیکھنا
تم کو کہیں جو غالبِ آشفتہ سر ملے

۱۵۰

کوئی دن گر زندگانی اور ہے
اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں؟
سوزِ غمہائے نہانی اور ہے
بارہا دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں
پر کچھ اب کے سر گرانی اور ہے
دے کے خط۔ منہ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے
قاطعِ اعمار ہیں اکثر نجوم
وہ بلائے آسمانی اور ہے

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں
میری آواز گر نہیں آتی

داغِ دل گر نظر نہیں آتا
بو بھی اسے چارہ گر نہیں آتی؟

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی

کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

۱۷۰

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟
آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
کاش پوچھو کہ "مدعا کیا ہے؟"

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اسے خدا کیا ہے؟

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں؟
غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے؟

شکنِ زلفِ عنبریں کیوں ہے؟
نگہِ چشمِ سرمہ سا کیا ہے؟

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟
ابر کیا چیز ہے؟ ہوا کیا ہے؟

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے؟

ہاں بھلا کر۔ ترا بھلا ہوگا جان تم پر نثار کرتا ہوں		اور درویش کی صدا کیا ہے میں نہیں جانتا۔ دعا کیا ہے
	میں نے مانا کہ۔ کچھ نہیں۔غالب مفت ہاتھ آئے تو برُا کیا ہے؟	

(۱۶۱)

کہتے تو ہو تم سب کہ بتِ غالیہ مو آئے
اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے

ہو کشمکشِ نزع میں۔ ہاں جذبِ محبت
کچھ کہہ نہ سکوں۔ پر وہ مرے پوچھنے کو آئے

ہے صاعقہ و شعلۂ و سیماب کا عالم
آنا ہی۔ سمجھ میں مری آتا نہیں گو آئے

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
ہاں منہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے

جلاد سے ڈرتے ہیں۔ نہ واعظ سے جھگڑتے
ہم سمجھے ہوئے ہیں اُسے جس بھیس میں جو آئے

ہاں اہلِ طلب کون سُنے طعنۂ نایافت
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں۔ اپنے ہی کو کھو آئے

اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اُس در پہ نہیں بار تو کعبے ہی کو ہو آئے

کی ہم نفسوں نے اثرِ گریہ میں تقریر
اچھے رہے آپ اُس سے مگر مجھ کو ڈبو آئے

اُس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے غالبؔ
ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

۱۶۲

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے — سینہ جویائے زخمِ کاری ہے
پھر جگر کھودنے لگا ناخن — آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے
قبلۂ مقصدِ نگاہِ نیاز — پھر وہی پردۂ عماری ہے

ق

چشمِ دلّالِ جنسِ رسوائی — دل خریدارِ ذوقِ خواری ہے
وہی صد رنگ نالہ فرسائی — وہی صد گونہ اشکباری ہے
دل ہوائے خرامِ ناز سے پھر — محشرستانِ بیقراری ہے
جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے — روزِ بازارِ جاں سپاری ہے
پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں — پھر وہی زندگی ہماری ہے

ق

پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز — گرم بازارِ فوجداری ہے
ہو رہا ہے جہان میں اندھیر — زلف کی پھر سرشتہ داری ہے
پھر دیا پارۂ جگر نے سوال — ایک فریاد و آہ و زاری ہے
پھر ہوئے ہیں گواہِ عشق طلب — اشکباری کا حکم جاری ہے
دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا — آج پھر اُس کی روبکاری ہے

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہی جس کی پردہ داری ہی

(۱۶۳)

جنوں تہمت کشِ تسکیں نہ ہو۔ گر شادمانی کی
نمک پاشِ خراشِ دل ہی لذّت زندگانی کی

کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعی آزادی
ہوئی زنجیر۔ موجِ آب کو۔ فرصت روانی کی

پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہِ طفلاں ہی
شرارِ سنگ نے تربت پہ میری گل فشانی کی

(۱۶۴)

نکوہش ہی سزا۔ فریادیِ بے دادِ دلبر کی
مبادا خندۂ دنداں نما ہو صبح۔ محشر کی

رگِ لیلیٰ کو۔ خاکِ دشتِ مجنوں ریشگی بخشے
اگر بو دے بجائے دانہ۔ دہقاں نوک نشتر کی

پرِ پروانہ۔ شاید بادبانِ کشتیٔ مَے تھا
ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی

کروں بیدادِ ذوقِ پرفشانی عرض کیا قدرت
کہ طاقت اڑ گئی۔ اڑنے سے پہلے میرے شہپر کی

کہاں تک روؤں اُس کے خیمے کے پیچھے قیامت ہی!
مری قسمت میں یا رب۔ کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

(۱۶۵)

بے اعتدالیوں سے - سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے - اتنے ہی کم ہوئے

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے
اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

ہستی ہماری - اپنی فنا پر دلیل ہی
یاں تک مٹے کہ آپ ہی اپنی قسم ہوئے

سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہی کیا خبر؟
وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے

تیری وفا سے کیا ہو تلافی؟ کہ دہر میں
تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خوں چکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

اللہ ری تیری تندیٔ خو - جس کے بیم سے
اجزائے نالہ - دل میں مرے رزقِ ہم ہوئے

اہلِ ہوس کی فتح ہی - ترکِ نبردِ عشق
جو پاؤں اُٹھ گئے - وہی اُن کے علم ہوئے

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے -
جو واں نہ کھنچ سکے - سو وہ یاں آکے دم ہوئے

چھوڑی اسد - نہ ہم نے گدائی میں دل لگی
سائل ہوئے تو - عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

(١٧٦)

جو نہ نقدِ داغِ دل کی - کرے شعلہ پاسبانی
تو فسردگی نہاں ہے - بہ کمینِ بے زبانی

مجھے اس سے کیا توقع ؟ بہ زمانۂ جوانی
کبھی کودکی میں جس نے - نہ سنی مری کہانی

یونہیں دکھ کسی کو دینا نہیں خوب - ورنہ کہتا
کہ مرے عدو کو یارب ! ملے میری زندگانی

(١٧٧)

ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیلِ سحر - سو خموش ہے

نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال
مدت ہوئی کہ آشتیِ چشم و گوش ہے

مے نے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب
اے شوق - یاں اجازتِ تسلیم و ہوش ہے

گوہر کو عقدِ گردنِ خوباں میں دیکھنا
کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے

دیدار بادہ - حوصلہ ساقی - نگاہ مست
بزمِ خیال - میکدۂ بے خروش ہے

قطعہ

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل
زنہار ! اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے

دیکھو مجھے ! جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو ! جو گوشِ حقیقت نیوش ہے

ساقی بہ جلوہ - دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے

یا صبح دم جو دیکھیے آ کر تو بزم میں
نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

۱۶۸

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلّی نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

خار خارِ المِ حسرتِ دیدار تو ہے
شوق گلچینِ گلستانِ تسلّی نہ سہی

مے پرستاں خمِ مے منہ سے لگائے ہی بنے
ایک دن گر نہ ہوا بزم میں ساقی نہ سہی

نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ صحرا
گر نہیں شمعِ سیہ خانۂ لیلیٰ نہ سہی

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

عشرتِ صحبتِ خوباں ہی غنیمت سمجھو
نہ ہوئی غالب اگر عمرِ طبیعی نہ سہی

(۱۶۹)

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے
کہ اپنے سائے سے سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے

قضا نے تھا مجھے چاہا خرابِ بادۂ الفت
فقط "خراب" لکھا۔ بس نہ چل سکا قلم آگے

غمِ زمانہ نے جھاڑی نشاطِ عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے

خدا کے واسطے۔ داد اس جنونِ شوق کی دینا
کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے
تمہارے آئیو۔ اے طرہ ہائے خم بہ خم آگے

دل و جگر میں پرافشاں جو ایک موجۂ خوں ہے
ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے

قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

۱۷۰

شکوے کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے
یہ بھی مت کہہ۔ کہ "جو کہیے تو گلا ہوتا ہے"

پُر ہوں میں۔ شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے۔ پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

گو سمجھتا نہیں پر حسنِ تلافی دیکھو
شکوۂ جور سے سرگرمِ جفا ہوتا ہے

عشق کی راہ میں ہے چرخ مکوکب کی وہ چال
سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

کیوں نہ ٹھہریں ہدفِ ناوکِ بے داد؟ کہ ہم
آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے

خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ
کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا۔ اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

قطعہ

خامہ میرا کہ وہ ہے باربدِ بزمِ سخن
شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے

اے شہنشاہِ کواکب سپہ و مہرِ علم
تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے

سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے
تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے

ہر مہینے میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال
آستانہ پہ ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہے

میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزل خوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

۱۴۱

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ "تو کیا ہے"
تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

نہ شعلے میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا
کوئی بتاؤ کہ وہ شوخِ تند خو کیا ہے

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے
وگرنہ خوفِ بد آموزیِ عدو کیا ہے

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفامِ مشکبو کیا ہے

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

رہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ "آرزو کیا ہے"

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

۱۷۲

میں انھیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں، چل نکلتے جو مے پیے ہوتے
قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو کاشکے تم مرے لیے ہوتے
میری قسمت میں غم گر اتنا تھا دل بھی یا رب کئی دیے ہوتے

آ ہی جاتا وہ راہ پر غالب
کوئی دن اور بھی جیے ہوتے

۱۷۳

آ کہ مری جان کو قرار نہیں ہے طاقتِ بیدادِ انتظار نہیں ہے
دیتے ہیں جنت حیاتِ دہر کے بدلے نشہ بہ اندازۂ خمار نہیں ہے
گریہ نکالے ہے تری بزم سے مجھ کو ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے
ہم سے عبث ہے گمانِ رنجشِ خاطر خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے
دل سے اٹھا لطفِ جلوہ ہائے معانی غیرِ گل آئینۂ بہار نہیں ہے
قتل کا میرے عہد تو کیا ہے بارے وائے اگر عہد استوار نہیں ہے

تو نے قسم مے کشی کی کھائی ہے غالب
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

(۱۷۴)

ہجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے
کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے
رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخمِ سوزن کی
سمجھیو مت کہ پاسِ درد سے دیوانہ غافل ہے

وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب
چٹکنا غنچۂ دل کا صدائے خندۂ دل ہی

(۱۷۵)
پا بہ دامن ہو رہا ہوں۔ بس کہ ہیں صحرا نورد
خارِ پا ہیں جوہرِ آئینۂ زانو مجھے

دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت
ہی نگاہِ آشنا۔ تیرا سرِ ہر مو مجھے

ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت کچھ نہ پوچھ
ہی یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

(۱۷۶)
جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے
جاں کالبدِ صورتِ دیوار میں آوے

سائے کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر
تو اُس قدِ دلکش سے جو گلزار میں آوے

تب نازِ گراں مائگیٔ اشک بجا ہی
جب لختِ جگر دیدۂ خونبار میں آوے

دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستمگر
کچھ تجھ کو مزہ بھی مرے آزار میں آوے

اُس چشمِ فسوں گر کا اگر پائے اشارہ
طوطی کی طرح آئنہ گفتار میں آوے

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادیٔ پُر خار میں آوے

مر جاؤں نہ کیوں رشک سے؟ جب وہ تنِ نازک
آغوشِ خمِ حلقۂ زنّار میں آوے

غارت گرِ ناموس نہ ہو گر ہوسِ زر
کیوں شاہدِ گل باغ سے بازار میں آوے

تب چاکِ گریباں کا مزہ ہی۔ دلِ نالاں
جب۔ اک نفس اُلجھا ہوا ہر تار میں آوے

آتش کدہ ہی سینہ مرا۔ رازِ نہاں سے
اے وائے اگر معرضِ اظہار میں آوے

گنجینۂ معنی کا طلسم اُس کو سمجھیے
جو لفظ کہ۔ غالبؔ! مرے اشعار میں آوے

(۱۷۱)
حسنِ مہ۔ گرچہ بہ ہنگامِ کمال۔ اچھا ہی
اُس سے میرا مہِ خورشید جمال اچھا ہی
بوسہ دیتے نہیں۔ اور دل پہ ہی ہر لحظہ نگاہ
جی میں کہتے ہیں کہ "مفت آئے تو مال اچھا ہی"
اور بازار سے لے آئے۔ اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہی
بے طلب دیں۔ تو مزا اس میں سوا ملتا ہی
وہ گدا۔ جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہی
اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہی منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہی
دیکھیئے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
اِک برہمن نے کہا ہی کہ "یہ سال اچھا ہی"
ہم سخن تیشے نے فرہاد کو شیریں سے کیا
جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال۔ اچھا ہی
قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہی وہ جس کا کہ مآل اچھا ہی
خضر سلطاں کو رکھے خالقِ اکبر سر سبز
شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہی

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت - لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب - یہ خیال اچھا ہے

۱۶۸

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے
ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے

خستگی کا تم سے کیا شکوہ ؟ کہ یہ
ہتھکنڈے ہیں چرخِ نیلی فام کے

خط لکھیں گے - گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

رات پی زمزم پہ مَے - اور صبح دم
دھوئے دھبّے جامۂ احرام کے

دل کو آنکھوں نے پھنسایا کیا ؟ مگر
یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے

شاہ کے ہے غسلِ صحت کی خبر
دیکھیے کب دن پھریں حمام کے

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

۱۶۹

پھر اس انداز سے بہار آئی
کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی

ق

دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک
اس کو کہتے ہیں عالم آرائی

کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر
روکشِ سطحِ چرخِ مینائی

سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا روئے آب پر کائی

سبزۂ گل کے دیکھنے کے لیے
چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
بادہ نوشی ہے بادپیمائی

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
شاہِ دیندار نے شفا پائی

(۱۸۰)
تغافل دوست ہوں۔ میرا دماغِ عجز عالی ہے
اگر پہلو تہی کیجے۔ تو جا میری بھی خالی ہے

رہا آباد عالم۔ اہلِ ہمت کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں جس قدر جام و سبو۔ مے خانہ خالی ہے

(۱۸۱)
کب وہ سنتا ہے کہانی میری — اور پھر۔ وہ بھی۔ زبانی میری
خلشِ غمزۂ خوں ریز نہ پوچھ — دیکھ۔ خوں نابہ فشانی میری
کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار؟ — مگر۔ آشفتہ بیانی میری
ہوں ز خود رفتۂ بیدائے خیال — بھول جانا ہے نشانی میری
متقابل ہے مقابل میرا — رک گیا۔ دیکھ روانی میری
قدرِ سنگِ سرِ رہ رکھتا ہوں — سخت ارزاں ہے گرانی میری
گرد بادِ رہِ بیتابی ہوں — صرصرِ شوق ہے بانی میری
دہن اس کا جو نہ معلوم ہوا — کھل گئی ہیچ مدانی میری

کر دیا ضعف نے عاجز غالب
ننگِ پیری ہے جوانی میری

(۱۸۲)
نقشِ نازِ بتِ طناز۔ بہ آغوشِ رقیب — پائے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے

تو وہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے
غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے

وہ تپِ عشقِ تمنا ہے کہ پھر صورتِ شمع
شعلہ تا نبضِ جگر ریشہ دوانی مانگے

(۱۸۳)

گلشن کو تری صحبت از بس کہ خوش آئی ہے
ہر غنچے کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

واں کنگرِ استغنا ہر دم ہے بلندی پر
یاں نالے کو اور اُلٹا دعوائے رسائی ہے

از بس کہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے
جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے

(۱۸۴)

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی
لکھ دیجیو یا رب اُسے قسمت میں عدو کی

اچھا ہے سرِ انگشتِ حنائی کا تصور
دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے
یاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسو کی

دشنے نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو
خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

صد حیف! وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب
حسرت میں رہے ایک بتِ عربدہ جو کی

(۱۸۵)

سیمابِ پشت گرمیِ آئینہ دے ہے ہم
حیراں کیے ہوئے ہیں دلِ بے قرار کے

آغوشِ گل- کشودہ برائے وداع ہی
اے عندلیب! چل کہ چلے دن بہار کے

(۱۸۶)

ہی وصل- ہجر- عالمِ تمکین و ضبط میں
معشوقِ شوخ و عاشقِ دیوانہ چاہیے

اُس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو- ہاں
شوقِ فضول و جرأتِ رندانہ چاہیے

(۱۸۷)

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے
یہ اگر چاہیں- تو پھر کیا چاہیے

صحبتِ رنداں سے واجب ہی حذر
جائے مَے اپنے کو کھینچا چاہیے

چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل؟
بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے

چاک مت کر جیب بے ایامِ گل
کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیے

دوستی کا پردہ ہی بیگانگی
منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

دشمنی نے میری- کھویا غیر کو
کس قدر دشمن ہی؟ دیکھا چاہیے

اپنی رسوائی میں- کیا چلتی ہی سعی
یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید
نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیے

غافل- ان مہ طلعتوں کے واسطے
چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

چاہتے ہیں خوب رویوں کو- اسدؔ
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

(۱۸۸)

ہر قدم دوریِ منزل ہی نمایاں مجھ سے
میری رفتار سے بھاگے ہی بیاباں مجھ سے

درسِ عنوانِ تماشا۔ بہ تغافل خوش تر
ہے نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگاں مجھ سے

وحشتِ آتشِ دل سے شبِ تنہائی میں
صورتِ دود رہا سایہ گریزاں مجھ سے

غمِ عشاق نہ ہو سادگی آموزِ بتاں
کس قدر خانۂ آئینہ ہے ویراں مجھ سے

اثرِ آبلہ سے جادۂ صحرائے جنوں
صورتِ رشتۂ گوہر ہے چراغاں مجھ سے

بے خودی بسترِ تمہیدِ فراغت ہو جو
پُر ہے سائے کی طرح میرا شبستاں مجھ سے

شوقِ دیدار میں گر تو مجھے گردن مارے
ہو نگہ مثلِ گلِ شمع پریشاں مجھ سے

بے کسی ہائے شبِ ہجر کی حسرت ہے ہے
سایہ خورشیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگیں تجھ سے
آئینہ داریِ یک دیدۂ حیراں مجھ سے

نگہِ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسدؔ
ہے چراغاں خس و خاشاکِ گلستاں مجھ سے

(۱۸۹)

نکتہ چیں ہے غمِ دل اُس کو سُنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

میں بلاتا تو ہوں اُس کو مگر اے جذبۂ دل
اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

کھیل سمجھا ہی۔ کہیں چھوڑ نہ دے۔ بھول نہ جا
کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے

غیر پھرتا ہی۔ لیے یوں ترے خط کو۔ کہ۔ اگر
کوئی پوچھے کہ "یہ کیا ہی" تو چھپائے نہ بنے

اس نزاکت کا بُرا ہو۔ وہ بھلے ہیں۔ تو کیا
ہاتھ آئیں۔ تو اُنھیں ہاتھ لگائے نہ بنے

کہہ سکے کون۔ کہ یہ جلوہ گری کس کی ہی؟
پردہ چھوڑا ہی وہ اُس نے کہ اُٹھائے نہ بنے

موت کی راہ نہ دیکھوں؟ کہ بن آئے نہ رہے
تم کو چاہوں؟ کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہی کہ اُٹھائے نہ اُٹھے
کام وہ آن پڑا ہی کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہی یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے۔ اور بجھائے نہ بنے

(۱۹۰)

چاک کی خواہش اگر وحشت بہ عریانی کرے
صبح کے مانند زخمِ دل۔ گریبانی کرے

جلوے کا تیرے وہ عالم ہی کہ گر کیجے خیال
دیدۂ دل کو زیارت گاہِ حیرانی کرے

ہی شکستن سے بھی دِل نومید۔ یارب کب تلک
آبگینہ کوہ پر عرضِ گراں جانی کرے

میکدہ گر چشمِ مستِ ناز سے پاوے شکست
موئے شیشہ دیدۂ ساغر کی عریانی کرے

خطِ عارض کو لکھا ہی۔ زلف کو اُلفت سے نے عہد
یک قلم منظور رہی جو کچھ پریشانی کرے

(۱۹۱)

وہ آکے خواب میں تسکینِ اضطراب تو دے
ولے مجھے تپشِ دل مجالِ خواب تو دے

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا
تری طرح کوئی تیغِ نگہہ کو آب تو دے

دکھا کے جنبشِ لب ہی تمام کر ہم کو
نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے

پلا دے اوک سے ساقی۔ جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
کہا جو اس نے "ذرا میرے پاؤں داب تو دے"

(۱۹۲)

تپش سے میری وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے
مرا سر رنجِ بالیں ہے۔ مرا تن بارِ بستر ہے

سرشکِ سر بہ صحرا دادہ۔ نور العینِ دامن ہے
دلِ بے دست وپا افتادہ۔ برخوردارِ بستر ہے

خوشا اقبالِ رنجوری۔ عیادت کو تم آئے ہو
فروغِ شمعِ بالیں۔ طالعِ بیدارِ بستر ہے

بہ طوفاں گاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی
شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر۔ تارِ بستر ہے

ابھی آتی ہے بو بالش سے اس کی زلفِ مشکیں کی
ہماری دید کو۔ خوابِ زلیخا۔ عارِ بستر ہے

کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجرِ یار میں غالب
کہ بے تابی سے ہر اک تارِ بستر خارِ بستر ہے

(۱۹۳)

خطر ہے رشتۂ اُلفت۔ رگِ گردن نہ ہو جائے
غرورِ دوستی۔ آفت ہے۔ تو دشمن نہ ہو جائے

سمجھ اس فصل میں کوتاہیِ نشو و نما غالب
اگر گل سرو کے قامت پہ پیراہن نہ ہو جائے

(۱۹۴)

فریاد کی کوئی لَے نہیں ہے
نالہ۔ پابندِ نَے نہیں ہے

کیوں بوتے ہیں باغبان تونبے؟
گر باغ گدائے مَے نہیں ہے

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے
پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی
ہر چند کہیں کہ "ہے" "نہیں ہے"

شادی سے گزر۔ کہ غم نہ ہووے
اُردی جو نہ ہو تو دَے نہیں ہے

کیوں ردِّ قدح کرے ہے زاہد؟
مَے ہے۔ یہ مگس کی قے نہیں ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے۔ غالب
آخر تو کیا ہے؟ اے "نہیں ہے"

(۱۹۵)

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحتِ دل کا
کہ اس میں ریزۂ الماس جزوِ اعظم ہے

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگہ۔ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

(۱۹۶)

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے
مرتے ہیں۔ ولے اُن کی تمنا نہیں کرتے

در پردہ اُنھیں۔ غیر سے ہو ربطِ نہانی
ظاہر کا یہ پردہ ہی کہ پردا نہیں کرتے

یہ باعث نومیدیِ اربابِ ہوس ہی
غالب کو بُرا کہتے ہو اچھّا نہیں کرتے

(۱۹۷)

کرے ہی بادہ ترے لب سے کسبِ رنگِ فروغ
خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گل چیں ہی

کبھی تو اس دلِ شوریدہ کی بھی داد ملے
کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہی

بہ جا ہی گر نہ سُنے نالہ ہائے بلبلِ زار
کہ گوشِ گل۔ نمِ شبنم سے پنبہ آگیں ہی

اسد ہی نزع میں۔ چل بے وفا! برائے خدا
مُقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکیں ہی

(۱۹۸)

کیوں نہ ہو؟ چشمِ بتاں محوِ تغافل کیوں نہ ہو؟
یعنی اُس بیمار کو نظارے سے پرہیز ہی

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
وائے ناکامی کہ اُس کافر کا خنجر تیز ہی

عارضِ گُل دیکھ روئے یار یاد آیا اسدؔ
جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہی

۱۹۹

دیا ہی دل اگر اُس کو بشر ہی کیا کہیے ؟
ہوا رقیب تو ہو۔ نامہ بر ہی۔ کیا کہیے ؟

یہ ضد کہ آج نہ آوے اور آئے بن نہ رہے
قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہی کیا کہیے ؟

رہے ہی یوں گہ و بے گہ کہ کوئے دوست کو اب
اگر نہ کہیے کہ "دشمن کا گھر ہی" ! کیا کہیے ؟

زہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہی ہم کو فریب
کہ بن کہے ہی اُنھیں سب خبر ہی کیا کہیے

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسشِ حال
کہ یہ کہے کہ "سرِ رہ گزر ہی کیا کہیے "

تمھیں نہیں ہی سرِ رشتۂ وفا کا خیال
ہمارے ہاتھ میں کچھ ہی مگر ہی کیا؟ کہیے

اُنھیں سوال پہ زعمِ جنوں ہی کیوں لڑیے؟
ہمیں جواب سے قطعِ نظر ہی۔ کیا کہیے

حسد سزائے کمالِ سخن ہی۔ کیا کیجے ؟
ستم بہائے متاعِ ہنر ہی کیا کہیے ؟

کہا ہی کس نے کہ غالبؔ بُرا نہیں لیکن
سوائے اس کے کہ آشفتہ سر ہی کیا کہیے

۲۰۰

دیکھ کر در پردہ گرمِ دامن افشانی مجھے
کر گئی وابستۂ تن میری عریانی مجھے

بن گیا تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فساں
مرحبا میں۔ کیا مبارک ہی گراں جانی مجھے

کیوں نہ ہو بے التفاتی؟ اُس کی خاطر جمع ہی
جانتا ہی محوِ پرسش ہائے پنہانی مجھے

میرے غم خانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی
لکھ دیا منجملۂ اسبابِ ویرانی مجھے

بدگماں ہوتا ہی وہ کافر نہ ہوتا کاشکے
اس قدر ذوقِ نوائے مرغِ بستانی مجھے

وائے واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا
لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

وعدہ آنے کا وفا کیجے۔ یہ کیا انداز ہی
ہاں نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری، واہ! واہ!!

تم نے کیوں سونپی ہی میرے گھر کی دربانی مجھے
پھر ہوا ہی تازہ سودائے غزلخوانی مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے از سرِ نو زندگی
میرزا یوسف ہی غالب یوسفِ ثانی مجھے

۲۰۱

یاد ہی شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے
ہی کشادِ خاطرِ وابستہ۔ دررہنِ سخن
یارب! اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیے
طبع ہی مشتاقِ لذت ہائے حسرت کیا کروں

سبحۂ زاہد ہوا ہی خندہ زیرِ لب مجھے
تھا طلسم قفلِ ابجد۔ خانۂ مکتب مجھے
رشک، آسائش پہ ہی زندانیوں کی اب مجھے
آرزو سے ہی شکستِ آرزو مطلب مجھے

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے
عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

(۲۰۲)
حضورِ شاہ میں اہلِ سخن کی آزمائش ہی
چمن میں خوش نوایانِ چمن کی آزمائش ہی
قد و گیسو میں۔ قیس و کوہکن کی آزمائش ہی
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہی
کریں گے کوہکن کے حوصلہ کا امتحاں آخر
ہنوز اُس خستہ کے نیروئے تن کی آزمائش ہی

نسیمِ مصر کو کیا پیرِ کنعاں کی ہوا خواہی؟
اُسے یوسفؑ کی بوئے پیرہن کی آزمائش ہے

وہ آیا بزم میں، دیکھو! نہ کہیو پھر کہ غافل تھے
شکیب و صبرِ اہلِ انجمن کی آزمائش ہے

رہے دل ہی میں تیر، اچھا۔ جگر کے پار ہو۔ بہتر
غرض شستِ بُتِ ناوک فگن کی آزمائش ہے

نہیں کچھ سُبحۂ زنار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

پڑا رہ۔ اے دلِ وابستہ بیتابی سے کیا حاصل
مگر پھر تابِ زُلفِ پُرشکن کی آزمائش ہے

رگ و پے میں جب اُترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو؟
ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمائش ہے

وہ آئیں گے مرے گھر؟ وعدہ کیسا؟ دیکھنا غالب
نئے فتنوں میں اب چرخِ کہن کی آزمائش ہے

(۲۰۳)

کبھی نیکی بھی اُس کے جی میں گر آ جائے ہے مجھ سے
جفائیں کرکے اپنی یاد۔ شرما جائے ہے مجھ سے

خدایا جذبۂ دل کی۔ مگر تاثیر اُلٹی ہے
کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

وہ بدخو، اور میری داستانِ عشق طولانی
عبارت مختصر - قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

اُدھر وہ بدگمانی ہے - اِدھر یہ ناتوانی ہے
نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی! کیا قیامت ہے؟
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

تکلّف برطرف نظّارگی میں بھی سہی - لیکن
وہ دیکھا جائے - کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے؟

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے - نبردِ عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے - نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہم سفر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

۲۴

زبس کہ مشقِ تماشا - جنوں علامت ہے
کشاد و بستِ مژہ - سیلیِ ندامت ہے

نہ جانوں - کیوں کہ مٹے داغِ طعنِ بدعہدی
تجھے کہ آئینہ بھی ورطۂ ملامت ہے

بہ پیچ و تابِ ہوس، سلکِ عافیت مت توڑ
نگاہِ عجز - سر رشتۂ سلامت ہے

وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد
جنونِ ساختہ و فصلِ گل قیامت ہے

۲۵

لاغر اتنا ہوں کہ گر - تو بزم میں - جا - دے مجھے
میرا ذمہ - دیکھ کر - گر کوئی بتلا دے مجھے

کیا تعجب ہے؟ کہ اُس کو دیکھ کر آ جائے رحم
واں تلک - کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے

منہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا۔ پر بہ اندازِ عتاب
کھول کر پردہ۔ ذرا آنکھیں ہی دکھلادے مجھے

یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہی۔ کہ میں
زلف گر بن جاؤں۔ تو شانے میں الجھادے مجھے

۲۰۶

بازیچۂ اطفال ہی دنیا۔ مرے آگے
ہوتا ہی۔ شب و روز تماشا مرے آگے

اک کھیل ہی اورنگِ سلیماں مرے نزدیک
اِک بات ہی اعجازِ مسیحا۔ مرے آگے

جز نام نہیں صورتِ عالم۔ مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستیٔ اشیا مرے آگے

ہوتا ہی نہاں گرد میں صحرا۔ مرے ہوتے
گھستا ہی جبیں۔ خاک پہ دریا مرے آگے

مت پوچھ کہ کیا حال ہی میرا ترے پیچھے
تو دیکھ۔ کہ کیا رنگ ہی تیرا مرے آگے

سچ کہتے ہو خود بین و خود آرا ہوں۔ نہ کیوں ہوں
بیٹھا ہی بُتِ آئینہ سیما مرے آگے

پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیٔ گفتار
رکھ دے کوئی پیمانہ و صہبا مرے آگے

نفرت کا گماں گزرے ہی میں رشک سے گزرا
کیوں کر کہوں "لو نام نہ اُن کا مرے آگے"

ایماں مجھے روکے ہی جو کھینچے ہی مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہی کلیسا مرے آگے

عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہی مرا کام
مجنوں کو برا کہتی ہی لیلا مرے آگے

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے

ہی موجزن اک قلزمِ خوں۔ کاش یہی ہو
آتا ہی ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہی
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہی میرا
غالب کو برا کیوں کہو۔ اچھا۔ مرے آگے

۲۰۷

کہوں جو حال تو کہتے ہو۔ "مدعا کہیے"
تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے ؟

نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ "ہم ستمگر ہیں"
مجھے تو خو ہی - کہ جو کچھ کہو "بجا" کہیے

وہ نیشتر سہی - پر دل میں جب اُتر جاوے
نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے

نہیں ذریعۂ راحت - جراحتِ پیکاں
وہ زخمِ تیغ ہی - جس کو کہ دل کشا کہیے

جو مدعی بنے - اُس کے نہ مدعی بنیے
جو نا سزا کہے - اُس کو نہ نا سزا کہیے

کہیں حقیقتِ جاں کا ہیِ مرض لکھیے
کہیں مصیبتِ ناسازیِ دوا کہیے

کبھی شکایتِ رنجِ گراں نشیں کیجے
کبھی حکایتِ صبرِ گریز پا کہیے

رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجے
کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

نہیں نگار کو الفت نہ ہو - نگار تو ہی
روانیِ روش و مستیِ ادا کہیے

نہیں بہار کو فرصت نہ ہو - بہار تو ہی
طراوتِ چمن و خوبیِ ہوا کہیے

سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالب!
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

۲۰۸

رونے سے اور عشق میں بیباک ہوگئے
دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہوگئے

صرفِ بہائے مے ہوئے آلاتِ مے کشی
تھے یہ ہی دو حساب سو یوں پاک ہوگئے

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم
بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہوگئے

کہتا ہی کون نالۂ بلبل کو بے اثر؟
پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہوگئے

پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہلِ شوق کا؟
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

کرنے گئے تھے اُس سے تغافل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ ہم خاک ہو گئے

اس رنگ سے اُٹھائی کل اُس نے اسدؔ کی نعش
دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

نشہ ہا شادابِ رنگ۔ و ساز ہا مستِ طرب
شیشۂ مے سروِ سبزِ جوئبارِ نغمہ ہے

ہم نشیں مت کہہ۔ کہ "برہم کر نہ بزمِ عیشِ دوست"
واں تو میرے نالے کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے

٢١٠

عرضِ نازِ شوخیِ دنداں۔ برائے خندہ ہے
دعویِ جمعیتِ احباب جائے خندہ ہے

ہے عدم میں غنچہ محوِ عبرتِ انجامِ گُل
یک جہاں زانو۔ تأمّل۔ در قفائے خندہ ہے

کلفتِ افسردگی کو۔ عیشِ بے تابی حرام
ورنہ۔ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے

سوزشِ باطن کے ہیں احباب مُنکر۔ ورنہ یاں
دِل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

حُسنِ بے پروا خریدارِ متاعِ جلوہ ہے
آئنہ۔ زانوئے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے

تا کجا۔ اے آگہی! رنگِ تماشا باختن؟
چشمِ وا گر دیدہ۔ آغوشِ وداعِ جلوہ ہے

٢١١

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل۔ کہ تجھ سے راہِ سخن۔ وا کرے کوئی

عالم - غبارِ وحشتِ مجنوں ہو سر بہ سر
کب تک خیالِ طرۂ لیلا کرے کوئی

افسردگی نہیں - طرب انشائے التفات
ہاں درد بن کے - دل میں مگر جا کرے کوئی

رونے سے اے ندیم! ملامت نہ کر مجھے
آخر - کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

چاکِ جگر سے - جب رہِ پرسش نہ وا ہوئی
کیا فائدہ ؟ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی

لختِ جگر سے ہو رگِ ہر خار - شاخِ گل
تا چند! باغبانیِ صحرا کرے کوئی

ناکامیِ نگاہ ہو برقِ نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

ہر سنگ و خشت ہو صدفِ گوہرِ شکست
نقصاں نہیں - جنوں سے جو سودا کرے کوئی

سر پر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر
فرصت کہاں ؟ کہ تیری تمنا کرے کوئی

ہو وحشتِ طبیعتِ ایجاد - یاس خیز
یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

بیکاریِ جنوں کو ہو سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں - تو پھر کیا کرے کوئی

حسنِ فروغِ شمع سخن۔ دور ہی اسد
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

۲۱۲

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

شرع و آئین پر مدار سہی
ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

چال جیسے کڑی کمان کا تیر
دل میں ایسے کے جا کرے کوئی

بات پر واں زبان کٹتی ہی
وہ کہیں۔ اور سنا کرے کوئی

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے۔ کوئی

نہ سنو۔ گر برا کہے کوئی
نہ کہو۔ گر برا کرے کوئی

روک لو۔ گر غلط چلے کوئی
بخش دو۔ گر خطا کرے کوئی

کون ہی جو نہیں ہی حاجت مند؟
کس کی حاجت روا کرے کوئی؟

کیا کیا خضر نے سکندر سے؟
اب کسے رہنما کرے کوئی؟

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی؟

۲۱۳

بہت سہی غمِ گیتی۔ شراب کم کیا ہی؟
غلامِ ساقیِ کوثر ہوں۔ مجھ کو غم کیا ہی
تمہاری طرز روش جانتے ہیں ہم کیا ہی؟
رقیب پر ہی اگر لطف۔ تو ستم کیا ہی؟

کیئے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کہلاوے
کوئی بتاؤ کہ وہ زلف خم بہ خم کیا ہی؟

لکھا کرے کوئی احکامِ طالع مولود
کسے خبر ہی کہ واں جنبشِ قلم کیا ہی

نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا
خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہی

وہ داد و دید گراں مایہ شرط ہی ہمدم
وگرنہ مہر سلیمان و جامِ جم کیا ہی

سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی
یقیں ہی ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہی

۲۱۴

بلغ۔ پاکر خفقانی۔ یہ ڈراتا ہی مجھے
جوہر تیغ بہ سر چشمۂ دیگر معلوم
مدعا۔ محو تماشائے شکستِ دِل ہی
نالہ۔ سرمایۂ یک عالم۔ و عالم کفِ خاک
زندگی میں تو وہ محفل سے اُٹھا دیتے تھے

سایۂ شاخِ گل۔ افعی نظر آتا ہی مجھے
ہوں میں وہ سبزہ کہ زہرآب اُگاتا ہی مجھے
آئنہ خانے میں کوئی لیے جاتا ہی مجھے
آسماں بیضۂ قمری نظر آتا ہی مجھے
دیکھوں اب مر گئے پر کون اُٹھاتا ہی مجھے

۲۱۵

روندی ہوئی ہی کوکبۂ شہریار کی
جب اس کے دیکھنے کے لیے آئیں بادشاہ
بھوکے نہیں ہیں سیرِ گلستاں کے ہم۔ ولے

اترائے کیوں نہ خاک سرِ رہ گزار کی
لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی
کیوں کر نہ کھائیے۔ کہ ہوا ہے بہار کی

ہزاروں خواہشیں ایسی - کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ڈرے کیوں میرا قاتل؟ کیا رہے گا اس کی گردن پر
وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دمبدم نکلے

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں - لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا
اگر اس طرۂ پرپیچ وخم کا پیچ وخم نکلے

مگر لکھوائے کوئی اس کو خط - تو ہم سے لکھوائے -
ہوئی صبح - اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشامی
پھر آیا وہ زمانہ - جو جہاں میں جام جم نکلے

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغ ستم نکلے

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

ذرا کر زور سینے پر کہ تیر پُر ستم نکلے
جو وہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے

خدا کے واسطے پردہ نہ کعبہ سے اُٹھا ظالم
کہیں ایسا نہو - یاں بھی وہی کافر صنم نکلے

کہاں مے خانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

٢١٧

کوہ کے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے
بے تکلف اے شرارِ جستہ کیا ہو جائیے

بیضہ آسا ننگِ بال و پر ہے یہ کنجِ قفس
از سرِ نو زندگی ہو - گر رہا ہو جائیے

٢١٨

مستی بہ ذوقِ غفلتِ ساقی - ہلاک ہے
موجِ شراب - یک مژۂ خوابناک ہے

جز زخمِ تیغِ ناز - نہیں دل میں آرزو
جیبِ خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے

جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد
صحرا ہماری آنکھ میں یک مشتِ خاک ہے

٢١٩

لبِ عیسیٰ کی جنبش - کرتی ہے گہوارہ جنبانی
قیامت - کشتۂ لعلِ بتاں کا خوابِ سنگیں ہے

٢٢٠

آمدِ سیلابِ طوفانِ صدائے آب ہے
نقشِ پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی - جادہ سے

بزمِ مے - وحشت کدہ ہے کس کی چشمِ مست کا
شیشے میں نبضِ پری پنہاں ہے موجِ بادہ سے

٢٢١

ہوں میں بھی تماشائیِ نیرنگِ تمنا
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آوے

٢٢٢

سیاہی جیسے گر جاوے دمِ تحریر کاغذ پر
مری قسمت میں یوں تصویر ہے شب ہائے ہجراں کی

۲۲۳

ہجوم نالہ۔ حیرت عاجزِ عرضِ یک افغاں ہے
خموشی۔ ریشۂ صد نیستاں سے خس بدنداں ہے
تکلف برطرف۔ ہے جاں ستاں تر۔ لطفِ بدخویاں
نگاہِ بے حجابِ ناز۔ تیغِ تیزِ عریاں ہے
ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی
کہ صبحِ عید۔ مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے
دل و دیں نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے
کہ اس بازار میں ساغر متاعِ دستِ گرداں ہے
غم۔ آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو
چراغِ روشن اپنا۔ قلزمِ صرصر کا مرجاں ہے

۲۲۴

خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے
نگاہ دل سے تری سرمہ سا نکلتی ہے
فشارِ تنگیٔ خلوت سے بنتی ہے شبنم
صبا۔ جو غنچے کے پردے میں جا نکلتی ہے
نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ
کہ زخمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے

۲۲۵

جس جا نسیم شانہ کشِ زلفِ یار ہے
نافہ دماغِ آہوئے دشتِ تتار ہے
کس کا سراغِ جلوہ ہے حیرت کو؟ اے خدا
آئینہ فرشِ ششِ جہت انتظار ہے
ہے ذرہ ذرہ تنگیِ جا سے غبارِ شوق
گر دام یہ ہے۔ وسعتِ صحرا شکار ہے
دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ
نظارہ کا مقدمہ پھر روبکار ہے
چھڑکے ہے شبنم۔ آئنہ برگِ گل پر آب
اے عندلیب! وقتِ وداعِ بہار ہے
پچ آپڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے
وہ آئے یا نہ آئے پہ یاں انتظار ہے

بے پردہ۔ سوئے وادیِ مجنوں گزر نہ کر
ہر ذرے کے نقاب میں دل بیقرار ہے

اے عندلیب۔ یک کفِ خس بہرِ آشیاں
طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے

دل مت گنوا۔ خبر نہ سہی۔ سیر ہی سہی
اے بے دماغ آئنہ تمثال دار ہے

غفلت کفیلِ عمر و اسدؔ ضامنِ نشاط
اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

۲۲۷

آئینہ کیوں نہ دوں؟ کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

حسرت نے لا رکھا۔ تری بزمِ خیال میں
گلدستۂ نگاہ۔ سویدا کہیں جسے

پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا!
افسونِ انتظار تمنا کہیں جسے

سر پہ ہجومِ دردِ غریبی سے ڈالیے
وہ ایک مشتِ خاک۔ کہ صحرا کہیں جسے

ہے چشمِ تر میں حسرتِ دیدار سے نہاں
شوقِ عناں گسیختہ دریا کہیں جسے

درکار ہے۔ شگفتنِ گلہائے عیش کو
صبحِ بہار پنبۂ مینا کہیں جسے

غالبؔ بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

۲۲۸

شبنم۔ بہ گلِ لالہ۔ نہ خالی ز ادا ہے
داغِ دلِ بے درد۔ نظرگاہِ حیا ہے

دل۔ خوں شدۂ کشمکشِ حسرتِ دیدار
آئینہ بہ دستِ بتِ بدمستِ حنا ہے

شعلے سے نہ ہوتی۔ ہوسِ شعلہ نے جو کی
جی کس قدر افسردگیِ دل پہ جلا ہے

تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق
آئینہ بہ اندازِ گل۔ آغوش کشا ہے

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

خو نے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو
معشوقی و بے حوصلگی۔ طرفہ بلا ہے

مجبوری و دعوائے گرفتاریِ الفت
دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے

معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ
تیغِ ستم۔ آئینۂ تصویر نما ہے

اے پرتوِ خورشیدِ جہاں تاب ادھر بھی
سائے کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب! اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

بے گانگیِ خلق سے بے دل نہ ہو غالب
کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

٢٢٨

منظور تھی یہ شکل۔ تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

اک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ۔ حور کی

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی

لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل۔ کہ کیوں اٹھا
گویا ابھی سنی نہیں آوازِ صور کی

آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

گو واں نہیں۔ پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

کیا فرض ہے؟ کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اُس نے شکایت ضرور کی

غالب۔ اگر سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
حج کا ثواب۔ نذر کروں گا حضور کی

۲۲۹

غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہی
یہ رنج کہ کم ہی مئے گلفام- بہت ہی

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہی- ورنہ
ہی یوں کہ مجھے دُردِ تہِ جام- بہت ہی

نَے تیر کماں میں ہی- نہ صیاد کمیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہی

کیا زہد کو مانوں- کہ نہ ہو گرچہ ریائی
پاداشِ عمل کی طمعِ خام- بہت ہی

ہیں اہلِ خرد- کس روشِ خاص پہ نازاں
پابستگیِ رسم و رہِ عام- بہت ہی

زمزم ہی پہ چھوڑو- مجھے کیا طوفِ حرم سے
آلودہ بہ مے- جامۂ احرام بہت ہی

ہی قہر کہ اب بھی نہ بنے بات- کہ اُن کو
انکار نہیں- اور مجھے ابرام بہت ہی

خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ!
رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہی

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہی- پہ- بدنام بہت ہی

۲۳۰

مدت ہوئی ہی یار کو مہماں کیے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہی دعوتِ مژگاں کیے ہوئے

پھر وضعِ احتیاط سے رُکنے لگا ہی دم
برسوں ہوئے ہیں چاکِ گریباں کیے ہوئے

پھر گرمِ نالہ ہائے شرربار ہی نفس
مدت ہوئی ہی سیرِ چراغاں کیے ہوئے

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہی عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں کیے ہوئے

پھر بھر رہا ہی خامۂ مژگاں۔ بہ خونِ دل
سازِ چمن طرازیِ داماں کیے ہوئے

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارۂ خیال کا ساماں کیے ہوئے

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہی
پندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے

پھر شوق کر رہا ہی خریدار کی طلب
عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے

دوڑے ہی پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوئے

پھر چاہتا ہوں۔ نامۂ دلدار کھولنا
جاں۔ نذرِ دل فریبیِ عنواں کیے ہوئے

مانگے ہی پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رُخ پہ پریشاں کیے ہوئے

چاہے ہی پھر کسی کو مقابل میں آرزو
سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے

اک نو بہارِ ناز کو تاکے ہی پھر نگاہ
چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کیے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیرِ بارِ منّتِ درباں کیے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصوّرِ جاناں کیے ہوئے

غالب ہمیں نہ چھیڑ۔ کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہیں ہم۔ تہیّۂ طوفاں کیے ہوئے

نویدِ امن ہے بیدادِ دوست۔ جاں کے لیے
رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لیے

بلا سے گر مژۂ یار۔ تشنۂ خوں ہے
رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ خوں فشاں کے لیے

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق۔ اے خضر!
نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لیے

رہا بلا میں بھی میں مبتلائے آفتِ رشک
بلائے جاں ہے۔ ادا تیری۔ اک جہاں کے لیے

فلک! نہ دور رکھ اُس سے مجھے۔ کہ میں ہی نہیں
درازدستیِ قاتل کے امتحاں کے لیے

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم۔ خس آشیاں کے لیے

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے
اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیئے

یہ قدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لیے

دیا ہی خلق کو بھی۔ تا اُسے نظر نہ لگے۔
بنا ہی عیش تجمل حسین خاں کے لیے

زباں پہ بارِ خدا یہ کس کا نام آیا۔
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

نصیرِ دولت و دیں۔ اور معین ملت و ملک
بنا ہی چرخِ بریں جس کے آستاں کے لیے

زمانہ عہد میں اُس کے ہی محو آرائش
بنیں گے اور ستارے۔ اب آسماں کے لیے

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہی
سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لیے

ادائے خاص سے غالب ہوا ہی نکتہ سرا
صلائے عام ہی یارانِ نکتہ داں کے لیے

(غزلیات تمام ہوئیں)

قصائد

قصیدہ اوّل

منقبت میں

سازِ یک ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار
سایۂ لالۂ بے داغ سویدائے بہار

مستیِ بادِ صبا سے ہی بعرضِ سبزہ
ریزۂ شیشۂ مے جوہرِ تیغِ کہسار

سبز ہی جامِ زمرد کی طرح داغِ پلنگ
تازہ ہی ریشۂ نارنج صفت روئے شرار

مستیِ ابر سے گلچینِ طرب ہی حسرت
کہ اس آغوش میں ممکن ہی دو عالم کا فشار

کوہ و صحرا ہمہ معموریِ شوقِ بلبل
راہِ خوابیدہ ہوئی خندۂ گل سے بیدار

سونپے ہی فیضِ ہوا صورتِ مژگانِ یتیم
سرنوشتِ دو جہاں ابر بہ یک سطرِ غبار

کاٹ کر پھینکیے ناخن تو بہ اندازِ ہلال
قوتِ نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار

کفِ ہر خاک بہ گردوں شدہ قمری پرواز
دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤس شکار

میکدہ میں ہو اگر آرزوئے گل چینی
بھول جا یک قدحِ بادہ بہ طاقِ گلزار

موجِ گل ڈھونڈھ بہ خلوتکدۂ غنچۂ باغ
گم کرے گوشۂ میخانہ میں گر تو دستار

کھینچے گر مانیِ اندیشہ چمن کی تصویر
سبز مثلِ خطِ نوخیز ہو خطِ پرکار

لعل سے کی ہی پئے زمزمۂ مدحتِ شاہ
طوطیِ سبزۂ کہسار نے پیدا منقار

وہ شہنشاہ کہ جس کی پئے تعمیرِ سرا
چشمِ جبریل ہوئی قالبِ خشتِ دیوار

فلک العرش ہجومِ خمِ دوشِ مزدور
رشتۂ فیضِ ازل سازِ طنابِ معمار

سبزۂ نہ چمن و یک خطِ پشتِ لبِ بام
رفعتِ ہمتِ صد عارف و یک اوجِ حصار

واں کے خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پرِ کاہ
وہ رہے مروحۂ بالِ پری سے بیزار

خاکِ صحرائے نجف - جوہرِ سیرِ عرفا
چشمِ نقشِ قدم - آئینۂ بختِ بیدار

ذرہ اس گرد کا - خورشید کو آئینۂ ناز
گرد اُس دشت کی - امید کو احرامِ بہار

آفرینش کو ہے واں سے طلبِ مستیٔ ناز
عرضِ خمیازۂ ایجاد ہے ہر موجِ غبار

مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہے اے شمعِ شبستانِ بہار
دلِ پروانہ چراغاں - پرِ بلبل گلزار

شکلِ طاؤس کرے آئنہ خانہ - پرواز
ذوق میں جلوے کے تیرے بہ ہوائے دیدار

تیری اولاد کے غم سے ہے بروئے گردوں
سلکِ اختر میں - مہِ نو - مژہ گوہر بار

ہم عبادت کو ترا نقشِ قدم مہرِ نماز
ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظہار

مدح میں تیری نہاں - زمزمۂ نعتِ نبیؐ
جام سے تیرے عیاں - بادۂ جوشِ اسرار

جوہرِ دستِ دعا آئنہ یعنی تاثیر
یک طرف نازشِ مژگان و دگر سو غمِ خار

مردمک سے ہو عزا خانۂ اقبالِ نگاہ
خاکِ در کی تری جو چشم نہ ہو آئنہ دار

دشمنِ آلِ نبیؐ کو بہ طرب خانۂ دہر
عرضِ خمیازۂ سیلاب ہو - طاقِ دیوار

دیدہ تا دل اسدؔ آئینۂ یک پرتوِ شوق
فیضِ معنی سے خطِ ساغرِ راقم سرشار

قصیدہ دویم

منقبت میں۔

دہر جز جلوۂ یکتائیٔ معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے ؟ اگر حسن نہ ہوتا خودبیں

بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

ہرزہ ہے نغمۂ زیر و بم ہستی و عدم
لغو ہے آئینۂ فرقِ جنون و تمکیں

نقشِ معنی ہمہ خمیازۂ عرضِ صورت
سخنِ حق ہمہ پیمانۂ ذوقِ تحسیں

لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم
دُردِ یک ساغرِ غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں

مثلِ مضمونِ وفا باد بدستِ تسلیم
صورتِ نقشِ قدم خاک بہ فرقِ تمکیں

عشق بے ربطیِ شیرازۂ اجزائے حواس
وصل زنگارِ رخِ آئینۂ حسنِ یقیں

کوہکن گرسنہ مزدورِ طرب گاہِ رقیب
بے ستوں آئینۂ خوابِ گرانِ شیریں

کس نے دیکھا نفسِ اہلِ وفا آتش خیز؟
کس نے پایا اثرِ نالۂ دلہائے حزیں؟

سامعِ زمزمۂ اہلِ جہاں ہوں - لیکن
نہ سر و برگِ ستائش - نہ دماغِ نفریں

کس قدر ہرزہ سرا ہوں! کہ عیاذاً باللہ
یک قلم - خارجِ آدابِ وقار و تمکیں

نقشِ لاحول لکھ - اے خامۂ ہذیاں تحریر!
یا علی - عرض کر اے فطرتِ وسواس قریں

مظہرِ فیضِ خدا - جان و دلِ ختمِ رسل
قبلۂ آلِ نبی - کعبۂ ایجادِ یقیں

ہو وہ سرمایۂ ایجاد جہاں گرمِ خرام
ہر کفِ خاک ہے واں گردۂ تصویرِ زمیں

جلوہ پرداز ہو نقشِ قدم اس کا جس جا
وہ کفِ خاک ہے ناموسِ دو عالم کی امیں

نسبتِ نام سے اس کی ہے یہ رتبہ کہ رہے
ابداً پشتِ فلک خم شدۂ نازِ زمیں

فیضِ خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا
بوئے گل سے نفسِ بادِ صبا عطر آگیں

بُرّشِ تیغ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا
قطع ہو جائے نہ سر رشتۂ ایجاد کہیں

کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے
رنگِ عاشق کی طرح رونقِ بتخانۂ چیں

جاں پناہا! دل و جاں فیض رسانا! شاہا!
وصیِ ختمِ رسل تو ہے بہ فتوائے یقیں

جسمِ اطہر کو ترے - دوشِ پیمبر منبر
نامِ نامی کو ترے - ناصیۂ عرش نگیں

کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب؟
شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں

آستاں پر ہے ترے جوہرِ آئینۂ سنگ
رقمِ بندگیِ حضرتِ جبریل امیں

تیرے در کے لیے اسبابِ نثار آمادہ
خاکیوں کو جو خدا نے دیے جان و دل و دیں

تیری مدحت کے لیے ہیں دل و جاں کام و زباں
تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبیں

کس سے ہو سکتی ہو مداحیِ ممدوحِ خدا؟
کس سے ہو سکتی ہو آرائشِ فردوسِ بریں؟

جنس بازارِ معاصی اسد اللہ اسد
کہ سوا تیرے کوئی اُس کا خریدار نہیں

شوخیِ عرضِ مطالب میں ہو گستاخِ طلب
ہو ترے حوصلۂ فضل پہ از بس کہ یقیں

دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حُسنِ قبول
کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آمیں

غمِ شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز
کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں

طبع کو الفتِ دلدل میں یہ سرگرمیِ شوق
کہ جہاں تک چلے اُس سے قدم اور مجھ سے جبیں

دل الفت نسب و سینۂ توحید فضا
نگہ جلوہ پرست و نفسِ صدق گزیں

صرفِ اعدا۔ اثرِ شعلۂ دودِ دوزخ
وقفِ احباب۔ گل و سنبلِ فردوسِ بریں

قصیدۂ سوم

شاہِ ظفر کی مدح میں عید الفطر کے موقع پر لکھا گیا

ہاں مہِ نو سنیں ہم اُس کا نام
جس کو تو جھک کے کر رہا ہو سلام

دو دن آیا ہو تو نظر دمِ صبح
یہی انداز اور یہی اندام

بارے دو دن کہاں رہا غائب
بندہ عاجز ہو گردشِ ایام

اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا
آسماں نے بچھا رکھا تھا دام

مرحبا اے سرورِ خاصِ خواص
حبّذا اے نشاطِ عامِ عوام

عذر میں تین دن نہ آنے کے
لے کے آیا ہو عید کا پیغام

اُس کو بھولا نہ چاہیئے کہنا | صبح جو جاے اور آے شام
ایک میں کیا۔ کہ سب نے جان لیا | تیرا آغاز اور ترا انجام
رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے | مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں نمام
جانتا ہوں کہ آج دنیا میں | ایک ہی ہے اُمیدگاہ انام
میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش | غالب اُس کا مگر نہیں ہے غلام؟
جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو | تب کہا ہے بہ طرزِ استفہام
مہرِ تاباں کو ہو تو ہو۔ اے ماہ | قرب ہر روزہ بر سبیلِ دوام

ق

تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا | جز بہ تقریبِ عیدِ ماہِ صیام
جانتا ہوں کہ اُس کے فیض سے تو | پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام
ماہ بن۔ ماہتاب بن۔ میں کون؟ | مجھ کو کیا بانٹ دیگا تو انعام
میرا اپنا جدا معاملہ ہے | اور کے لین دین سے کیا کام
ہے مجھے آرزوے بخششِ خاص | گر تجھے ہے امیدِ رحمتِ عام
جو کہ بخشے گا تجھ کو فرِّ فروغ | کیا نہ دے گا مجھے مےُ گلفام؟
جبکہ چودہ منازلِ فلکی | کر چکی قطع تیری تیزی گام
تیرے پرتو سے ہوں فروغ پذیر | کوے و مشکوے و صحن و منظر و بام
دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز | اپنی صورت کا اک بلوریں جام
پھر غزل کی روش پہ چل نکلا | توسنِ طبع چاہتا تھا لگام

غزل

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام | تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام

مے ہی پھر کیوں نہ میں پیے جاؤں
غم سے جب ہو گئی ہو زیست حرام

بوسہ کیسا؟ یہی غنیمت ہے!
کہ نہ سمجھیں وہ لذتِ دشنام

کعبے میں جا بجائیں گے ناقوس
اب تو باندھا ہے دیر میں احرام

اُس قدح کا ہے دور مجھ کو نقد
چرخ نے لی ہے جس سے گردش دام

بوسہ دینے میں اُن کو ہے انکار
دل کے لینے میں جن کو ہے ابرام

چھیڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے
کیوں رکھوں؟ ورنہ غالب اپنا نام

کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ
اے پری چہرہ پیکِ تیز خرام

کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا
ہیں مہ و مہر و زہرہ و بہرام

تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن
نامِ شاہنشہِ بلند مقام

قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ
مظہرِ ذوالجلالِ والاکرام

شہسوارِ طریقۂ انصاف
نوبہارِ حدیقۂ اسلام

جس کا ہر فعل صورتِ اعجاز
جس کا ہر قول معنیٔ الہام

بزم میں میزبانِ قیصر و جم
رزم میں اوستادِ رستم و سام

اے! ترا لطف زندگی افزا
اے! ترا عہد فرخی فرجام

چشم بد دور! خسروانہ شکوہ
لوحش اللہ! عارفانہ کلام

جاں نثاروں میں تیرے قیصرِ روم
جرعہ خواروں میں تیرے مرشدِ جام

وارثِ ملک جانتے ہیں تجھے
ایرج و تور و خسرو و بہرام

زورِ بازو میں مانتے ہیں تجھے
گیو و گودرز و بیژن و رہام

مرحبا! موشگافیِ ناوک — آفریں! آبداریِ صمصام
تیر کو تیرے تیرِ غیر ہدف — تیغ کو تیری تیغِ خصم نیام

ق

رعد کا کر رہی ہی کیا دم بند — برق کو دے رہا ہی کیا الزام
تیرے فیلِ گراں جسد کی صدا — تیرے رخشِ سبک عناں کا خرام

ق

فنِ صورت گری میں تیرا گرز — گر نہ رکھتا ہو دستگاہ تمام
اُس کے مضروب کے سر و تن سے — کیوں نمایاں ہو صورتِ ادغام
جب ازل میں رقم پذیر ہوئے — صفحہ ہائے لیالی و ایام
اور اُن اوراق میں بہ کلکِ قضا — مجملاً مندرج ہوئے احکام
لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کش — لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام
آسماں کو کہا گیا کہ کہیں — گنبدِ تیز گردِ نیلی فام
حکمِ ناطق لکھا گیا کہ لکھیں — خال کو دانہ اور زلف کو دام
آتش و آب و باد و خاک نے لی — وضعِ سوز و نم و رم و آرام
مہرِ رخشاں کا نام خسروِ روز — ماہِ تاباں کا اسم شحنۂ شام
تیری توقیعِ سلطنت کو بھی — دی بدستور صورتِ ارقام
کاتبِ حکم نے بموجبِ حکم — اُس رقم کو دیا طرازِ دوام
ہی ازل سے روائیِ آغاز — ہو ابد تک رسائیِ انجام

قصیدہ چہارم

صبحدم دروازۂ خاور کھلا — مہرِ عالمتاب کا منظر کھلا

خسروِ انجم کے آیا صرف میں — شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا
وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود — صبح کو رازِ مہ و اختر کھلا
ہیں کواکب کچھ۔ نظر آتے ہیں کچھ — دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا
سطحِ گردوں پر پڑا تھا رات کو — موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانبِ مشرق۔ نظر — اِک نگارِ آتشیں رُخ سر کھلا
تھی نظر بندی۔ کیا جب ردِّ سحر — بادۂ گل رنگ کا ساغر کھلا
لاکے ساقی نے صبوحی کے لیے — رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھلا
بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ — کعبۂ امن و اماں کا در کھلا
تاجِ زریں مہرِ تاباں سے سوا — خسروِ آفاق کے منہ پر۔ کھلا
شاہِ روشن دل بہادر شہ۔ کہ ہے — رازِ ہستی۔ اُس پہ سر تا سر کھلا
وہ۔ کہ جس کی صورتِ تکوین میں — مقصدِ نہ چرخ و ہفت اختر کھلا
وہ کہ جس کے ناخنِ تاویل سے — عقدۂ احکامِ پیغمبر کھلا
پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام — اُس کے سرہنگوں کا جب دفتر کھلا
روشناسوں کی جہاں فہرست ہے — واں لکھا ہے چہرۂ قیصر کھلا

قطعہ

توسنِ شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب — تھان سے وہ غیرتِ صرصر کھلا
نقشِ پا کی صورتیں وہ دلفریب — تو کہے بت خانۂ آزر کھلا
مجھ پہ فیضِ تربیت سے شاہ کے — منصبِ مہر و مہ و محور کھلا
لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک — میری حدِّ وسع سے باہر کھلا
تھا دلِ وابستہ۔ قفلِ بے کلید — کس نے کھولا؟ کب کھلا؟ کیونکر کھلا
باغِ معنی کی دکھاؤں گا بہار — مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا
ہو جہاں گرمِ غزل خوانی نفس — لوگ جانیں۔ طبلۂ عنبر کھلا

غزل

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا — کاشکے ہوتا قفس کا در کھلا

ہم پکاریں اور کھلے۔ یوں کون جائے؟ — یار کا دروازہ پائیں گر کھلا

ہم کو ہے اس رازداری پر گھمنڈ — دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا

واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ — زخم۔ لیکن داغ سے بہتر کھلا

ہاتھ سے رکھ دی کب ابرو نے کمان — کب کمر سے غمزے کی خنجر کھلا

مفت کا کس کو برا ہے بدرقہ — رہروی میں پردۂ رہبر کھلا

سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک — آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھلا

نامے کے ساتھ آگیا پیغامِ مرگ — رہ گیا خط۔ میری چھاتی پر کھلا

دیکھیو۔ غالب سے گر الجھا کوئی — ہے ولی پوشیدہ۔ اور کافر کھلا

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال — پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا

خامے نے پائی طبیعت سے مدد — بادباں کے اُٹھتے ہی لنگر کھلا

مدح سے ممدوح کی دیکھی شکوہ — عرض سے یاں رتبۂ جوہر کھلا

مہر کانپا۔ چرخ چکر کھا گیا — بادشہ کا رایتِ لشکر کھلا

بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب — اب علو پایۂ منبر کھلا

سکۂ شہ کا ہوا ہے روشناس — اب عیار آبروئے زر کھلا

شاہ کے آگے دھرا ہے آئنہ — اب مآلِ سعیٔ اسکندر کھلا

ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے — اب فریبِ طغرل و سنجر کھلا

ہو سکے کیا مدح ؟ ہاں اک نام ہے
دفترِ مدح جہاں داور کھلا

فکر اچھی۔ پرستائش نا تمام
عجز۔ اعجازِ ستائش گر کھلا

جانتا ہوں۔ ہے خطِ لوحِ ازل
تم پہ اے خاقانِ نام آور کھلا

تم کرو صاحبقرانی۔ جب تلک
ہے طلسمِ روز و شب کا در کھلا

مثنوی

آموں کی تعریف میں

ہاں دلِ دردمند زمزمہ ساز
کیوں نہ کھولے درِ خزینۂ راز

خامے کا صفحہ پر رواں ہونا
شاخِ گل کا ہے گلفشاں ہونا

مجھ سے کیا پوچھتا ہے "کیا لکھیے"؟
نکتہ ہائے خرد فزا لکھیے

بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
خامہ۔ نخلِ رطب فشاں ہو جائے

آم کا کون مردِ میدان ہے ؟
ثمر و شاخ گوے و چوگاں ہے

تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں
آئے یہ گوے اور یہ میداں

آم کے آگے پیش جائے خاک
پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک

نہ چلا جب کسی طرح مقدور
بادۂ ناب بن گیا۔ انگور

یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے
شرم سے پانی پانی ہونا ہے

مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے
آم کے آگے نیشکر کیا ہے

نہ گل اس میں نہ شاخ و برگ نہ بار
جب خزاں ہو تب آئے اس کی بہار

اور دوڑائیے قیاس کہاں ؟
جانِ شیریں میں یہ مٹھاس کہاں

جان میں ہوتی گر یہ شیرینی
کوہکن با وجود غمگینی

جان دینے میں اُس کو یکتا جان
پر۔ وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان

نظر آتا ہی یوں مجھے یہ ثمر
کہ دوا خانۂ ازل میں مگر

آتشِ گل پہ قند کا ہو قوام
شیرے کے تار کا ہو ریشہ نام

یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے!
باغبانوں نے باغِ جنت سے

انگبیں کے۔ بہ حکمِ ربُّ النّاس
بھر کے بھیجے ہیں۔ سر بہ مہر گلاس

یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات
مدتوں تک دیا ہی آبِ حیات

تب ہوا ہی ثمر فشاں یہ نخل
ہم کہاں! ورنہ اور کہاں یہ نخل

تھا ترنج زر ایک خسرو پاس
رنگ کا زرد۔ پر کہاں بو باس؟

آم کو دیکھتا اگر اک بار
پھینک دیتا طلائے دست افشار

رونقِ کارگاہِ برگ و نوا
نازشِ دودمانِ آب و ہوا

رہبرِ راہِ خلد کا توشہ
طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ

صاحبِ شاخ برگ و بار ہی آم
ناز پروردۂ بہار ہی آم

خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو
نوبرِ نخلِ باغِ سلطاں ہو

وہ کہ ہی والیِ ولایتِ عہد
عدل سے اس کے ہی حمایتِ عہد

فخرِ دیں عز شان و جاہِ جلال
زینتِ طینت و جمالِ کمال

کار فرمائے دین و دولت و بخت
چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت

سایہ اُس کا۔ ہما کا سایہ ہی
خلق پر وہ خدا کا سایہ ہی

اے مفیضِ وجودِ سایۂ و نور
جب تلک ہی نمودِ سایۂ و نور

اس خداوند بندہ پرور کو
وارثِ گنج و تخت و افسر کو

شاد۔ دل شاد۔ شادماں رکھیو
اور غالب پہ مہرباں رکھیو

قطعات

(۱)

اے شہنشاہِ فلک منظرِ بے مثل و نظیر
اے جہاں دارِ کرم شیوۂ بے شبہ و عدیل

پانوں سے تیرے ملے فرقِ ارادت اورنگ
فرق سے تیرے کرے کسبِ سعادت اکلیل

تیرا اندازِ سخن، شانۂ زُلفِ الہام
تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ جبریل

تجھ سے عالم پہ کھُلا رابطۂ قربِ کلیم
تجھ سے دنیا میں بچھا مائدۂ بذلِ خلیل

بہ سخن، اوج دہِ مرتبۂ معنی و لفظ
بکرم، داغ نہِ ناصیۂ قلزم و نیل

تا ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی توفیر
تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تقلیل

ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر
زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل

تیری دانش میری اصلاحِ مفاسد کی رہین
تیری بخشش مری انجاحِ مقاصد کی کفیل

تیرا اقبالِ ترحم مرے جینے کی نوید
تیرا اندازِ تغافل مرے مرنے کی دلیل

بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں
چرخِ کج باز نے چاہا کہ کرے مجھ کو ذلیل

پیچھے ڈالی ہے سرِ رشتۂ اوقات میں گانٹھ
پہلے ٹھونکی ہے بنِ ناخنِ تدبیر میں کیل

تپشِ دل نہیں بے رابطۂ خوفِ عظیم
کششِ دم نہیں بے ضابطۂ جرِّ ثقیل

دُرِ معنی سے مرا صفحہ لقا کی داڑھی
غمِ گیتی سے مرا سینہ امر[۱] کی زنبیل

فکر میری گہر اندوزِ اشاراتِ کثیر
کلک میری رقم آموزِ عباراتِ قلیل

میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدق توضیح
میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش تفصیل

نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف
جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

قبلۂ کون و مکاں! خستہ نوازی میں یہ دیر
کعبۂ امن و اماں! عقدہ کشائی میں یہ ڈھیل

۱؎ داستانِ امیر حمزہ میں جہاں سے یہ تلمیح لی گئی ہے عمرو بن امیہ صحابی کا نام لیا گیا ہے غالب نے قصداً غالباً پاسِ ادب کے خیال سے اس نام کو عمرو کے بجائے امر کر دیا ہے۔

۲

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری	کیا کرتے تھے تم تقریر۔ہم خاموش رہتے تھے
بس۔اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ	قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں "کیوں ہم نہ کہتے تھے"

۳

کلکتے کا جو ذکر کیا۔ تو نے ہم نشیں	اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے
وہ سبزہ زار ہائے مطرا کہ ہے غضب	وہ نازنیں بتانِ خود آرا کہ ہائے ہائے
صبر آزما وہ اُن کی نگاہیں۔کہ ہف نظر	طاقت رُبا وہ اُن کا اشارا کہ ہائے ہائے
وہ میوہ ہائے تازہ ٔ شیریں۔کہ واہ واہ	وہ بادہ ہائے ناب و گوارا کہ ہائے ہائے

۴

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی	زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے
خامہ انگشت بہ دنداں کہ اسے کیا لکھیے	ناطقہ سر بہ گریباں۔کہ اسے کیا ر کہیے
مہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیے	حرزِ بازوئے شگرفانِ خود آرا کہیے
مسی آلودہ سر انگشتِ حسیناں لکھیے	داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہیے
خاتمِ دستِ سلیماں کے مشابہ لکھیے	سرِ پستانِ پری زاد سے مانا کہیے
اخترِ سوختہ ٔ قیس سے نسبت دیجے	خالِ مشکینِ رُخِ دلکشِ لیلا کہیے
حجر الاسودِ دیوارِ حرم کیجیے فرض	نافہ آہوئے بیابانِ ختن کا کہیے
وضع میں اس کو اگر سمجھیے قافِ تریاق	رنگ میں سبزۂ نوخیز مسیحا کہیے
صومعے میں اسے ٹھہرائیے گر مہرِ نماز	مے کدے میں اسے خشتِ خمِ صہبا کہیے
کیوں اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھیے؟	کیوں اسے نقطہ ٔ پرکارِ تمنا کہیے؟
کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیجیے	کیوں اسے مردمکِ دیدۂ عنقا کہیے
کیوں اسے تکمۂ پیراہنِ لیلا لکھیے	کیوں اسے نقشِ پئے ناقۂ سلما کہیے

اپنے حضرت کے کفِ دست کو دل کیجیے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

۵

نہ پوچھ اس کی حقیقت۔ حضورِ والا نے
مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی

نہ کھاتے گیہوں۔ نکلتے نہ خلد سے باہر
جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

(۶)

سہرا

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادے جواں بخت کے سر پر سہرا

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
ہے ترے حسنِ دل افروز کا زیور سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرفِ کلاہ
مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہوں گے موتی
ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

سات دریا کے فراہم کیے ہوں گے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا

رخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینا ٹپکا
ہے رگِ ابرِ گہر بار سراسر سہرا

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کی برابر سہرا

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز
چاہیے پھولوں کا بھی ایک مقرر سہرا

جب کہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

رخِ روشن کی دمک گوہرِ غلطاں کی چمک
کیوں نہ دکھلائے فروغِ مہ و اختر سہرا

تار ریشم کا نہیں۔ ہے یہ رگِ ابرِ بہار
لائے گا تابِ گراں باریِ گوہر سہرا

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرف دار نہیں
دیکھیں۔ کہہ دے کوئی اس سہرے سے بڑھ کر سہرا

٧

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلحِ کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے

استادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

جامِ جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

میں کون؟ اور ریختہ۔ ہاں اس سے مدعا
جز انبساطِ خاطرِ حضرت نہیں مجھے

سہرا لکھا گیا زرہِ امتثالِ امر
دیکھا کہ چارہ غیرِ اطاعت نہیں مجھے

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہیں۔ جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

قسمت بری سہی۔ پہ طبیعت بری نہیں
ہے شکر کی جگہ۔ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

٨

نصرت الملک بہادر! مجھے بتلا کہ مجھے
تجھ سے جو اتنی ارادت ہے۔ تو کس بات سے ہے

گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
رونقِ بزمِ مہ و مہر تری ذات سے ہے

اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں
غیر کیا۔ خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

خستگی کا ہو بھلا جس کے سبب سے سرِ دست
نسبت اک گونہ مرے دل کو ترے ہات سے ہے

ہاتھ میں تیرے رہے توسنِ دولت کی عناں
یہ دعا شام و سحر قاضیٔ حاجات سے ہے

تو سکندر ہے۔ مرا فخر ہے ملنا تیرا
گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے

اُس پہ گزرے نہ گماں ریو و ریا کا زنہار
غالبِ خاک نشیں اہلِ خرابات سے ہے

۹

ہے چارشنبہ آخرِ ماہِ صفر چلو
رکھ دیں چمن میں بھر کے مئے مشک بو کی ناند

جو آئے جام بھر کے پیے اور ہو کے مست
سبزے کو روندتا پھرے پھولوں کو جائے پھاند

بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلّے حضور میں
ہے جن کے آگے سیم و زر مہر و ماہ ماند

یوں سمجھیے کہ بیچ سے خالی کیے ہوئے
لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند

غالب یہ کیا بیاں ہے بجز مدحِ بادشاہ
بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت و خواند

۱۰

اے شاہِ جہاں گیر جہاں بخش جہاں دار
ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت

جو عقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو
تو وا کرے اُس عقدے کو سو بھی با اشارت

ممکن ہے کرے خضر سکندر سے ترا ذکر
گر لب کو نہ دے چشمۂ حیواں سے طہارت

آصف کو سلیماں کی وزارت سے شرف تھا
ہے فخر سلیماں جو کرے تیری وزارت

ہے نقشِ مریدی ترا فرمانِ الٰہی
ہے داغِ غلامی ترا توقیعِ امارت

تو آب سے گر سلب کرے طاقتِ سیلاں
تو آگ سے گر دفع کرے تابِ شرارت

ڈھونڈے سے نہ ملے موجۂ دریا میں روانی
باقی نہ رہے آتشِ سوزاں میں حرارت

ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں توغل
ہے گرچہ مجھے سحر طرازی میں مہارت

کیوں کر نہ کروں مدح کو میں ختم دعا پر؟
قاصر ہے شکایت میں تری میری عبارت

نوروز ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہیں
نظارگیِ صنعتِ حق اہلِ بصارت

تجھ کو شرفِ مہرِ جہاں تاب مبارک
غالب کو ترے عتبۂ عالی کی زیارت

۱۱

افطارِ صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو
اس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے

جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

۱۲

اے شہنشاہِ آسماں اورنگ
اے جہاندارِ آفتاب آثار

تھا میں اک بے نوائے گوشہ نشیں
تھا میں اک دردمندِ سینہ فگار

تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
ہوئی میری وہ گرمیِ بازار

کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز
روشناسِ ثوابت و سیار

گرچہ از روئے ننگِ بے ہنری
ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار

کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی
جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار

شاد ہوں۔ لیکن اپنے جی میں کہ ہوں
بادشہ کا غلامِ کارگزار

خانہ زاد اور مرید اور مداح — تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر — نسبتیں ہو گئیں مشخص چار
نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں — مدعائے ضروری الاظہار
پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں — ذوقِ آرائشِ سر و دستار
کچھ تو جاڑے میں چاہیئے آخر — تا نہ دے بادِ زمہریر آزار
کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش؟ — جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
کچھ خریدا نہیں ہے اب کے سال — کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
رات کو آگ اور دن کو دھوپ — بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
آگ تاپے کہاں تلک انسان؟ — دھوپ کھاوے کہاں تلک جاندار
دھوپ کی تابش آگ کی گرمی — وقنا ربنا عذاب النار
میری تنخواہ جو مقرر ہے — اس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار
رسم ہے مردے کی چھ ماہی ایک — خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
مجھ کو دیکھو تو ہوں بقیدِ حیات — اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار
بس کہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض — اور رہتی ہے سود کی تکرار
میری تنخواہ میں تہائی کا — ہو گیا ہے شریک ساہوکار
آج مجھ سا نہیں زمانے میں — شاعرِ نغز گوے و خوش گفتار
رزم کی داستان اگر سنیے — ہے زباں میری تیغِ جوہردار
بزم کا التزام گر کیجے — ہے قلم میری ابرِ گوہربار
ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد — قہر ہے گر کرو نہ مجھ کو پیار
آپ کا بندہ اور پھروں ننگا — آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار
میری تنخواہ کیجے ماہ بہ ماہ — تا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار

ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام
تم سلامت رہو ہزار برس،
شاعری سے نہیں مجھے سروکار
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۲

سیہ گلیم ہوں۔ لازم ہے میرا نام نہ لے
ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے
جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
کہ جو شریک ہو میرا شریکِ غالب ہے

۱۳

سہل تھا مسہل۔ ولے یہ سخت مشکل آپڑی
تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد
مجھ پہ کیا گزرے گی اتنے روز حاضر بن ہوئے
تین مسہل تین تبریدیں یہ سب کے دن ہوئے

۱۴

خجستہ انجمن طوئے میرزا جعفر
ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب
کہ جس کے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی محظوظ
نہ کیوں ہو مادۂ سالِ عیسوی "محظوظ"
سنہ ۱۸۵۴ء

۱۵

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی
کہا غالب سے تاریخ اس کی کیا ہے؟
ہوا بزمِ طرب میں۔ رقصِ ناہید
تو بولا "انشراحِ جشنِ جمشید"
سنہ ۱۲۷۰ ھ

۱۲

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں
دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں
کانوں پہ ہاتھ دھر لیتے ہیں کرتے ہوئے سلام
اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

رباعیات

۱

بعد از اتمام بزمِ عیدِ اطفال
ایامِ جوانی رہے ساغر کشِ حال
آپہنچے ہیں تا سوادِ اقلیمِ عدم
اے عمرِ گزشتہ یک قدم استقبال

۲

شب۔ زلف و رُخِ عرق فشاں کا غم تھا
کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک
ہر قطرۂ اشک۔ دیدۂ پُر نم تھا

۳

آتش بازی ہے جیسے شغلِ اطفال
ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال
تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی
لڑکوں کے لیے گیا ہے کیا کھیل نکال

۴

دل تھا کہ جو جانِ دردِ تمہید سہی
بے تابیٔ رشک و حسرتِ دید سہی
ہم اور فسردن۔ اے تجلی افسوس!
تکرار روا نہیں تو تجدید سہی

ہی خلق حسد قماش لڑنے کے لیے یعنی ہر بار صورتِ کاغذِ باد	۵	وحشت کدۂ تلاش لڑنے کے لیے ملتے ہیں یہ بدمعاش لڑنے کے لیے
	۶	
دل سخت نژند ہوگیا ہی گویا پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں		اُس سے گلہ مند ہوگیا ہے گویا غالب منہ بند ہوگیا ہے گویا
	۷	
دکھ جی کے پسند ہوگیا ہی گویا واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں		دل رُک رُک کر بند ہوگیا ہی غالب سونا سوگند ہوگیا ہی غالب
	۸	
مشکل ہی زبس کلام میرا اے دل! آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش		سُن سُن کے اُسے سخنورانِ کامل! گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل
	۹	
بھیجی ہی جو مجھ کو شاہ جمجاہ نے دال ہے شاہ پسند دال بے بحث و جدال		ہی لطف و عنایاتِ شہنشاہ پہ دال ہی دولت و دین و دانش و داد کی دال
	۱۰	
ہیں شہ میں صفاتِ ذوالجلالی باہم		آثارِ جلالی و جمالی باہم

ہوں شاد نہ کیوں سافل و عالی باہم		ہے اب کے شبِ قدر و دوالی باہم
	۱۱	
حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے		تا شاہ شیوع دانش و داد کرے
یہ دی جو گئی ہے رشتۂ عمر میں گانٹھ		ہے صفر کہ افزائشِ اعداد کرے
	۱۲	
اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا		اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا
ہر سیکڑہ کو ایک گرہ فرض کریں		ایسی گرہیں ہزار ہوں بلکہ سوا
	۱۳	
کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں		عشاق کی پرسش سے اُسے عار نہیں
جو ہاتھ کہ ظلم سے اُٹھایا ہوگا		کیوں کر مانوں کہ اُس میں تلوار نہیں
	۱۴	
ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے		کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے
کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ		وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے
	۱۵	
سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں		آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
روزہ مرا ایمان ہے۔ غالب لیکن		خس خانہ و برف آب کہاں سے لاؤں
	۱۶	
ان سیموں کے بیجوں کو کوئی کیا جانے		بھیجے ہیں جو ارمغاں شہِ والا نے
گن کر دیویں گے ہم دعائیں سو بار		فیروزہ کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

رقعہ کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے	۱۷	ثاقب۔ حرکت یہ کی ہو بیجا تم نے
حاجی کلّو کو دیکے بے وجہ جواب		غالب کا پکا دیا کلیجا تم نے
	۱۸	
ای روشنیٔ دیدہ شہاب الدیں خاں		کٹتا ہو بتاؤ کس طرح سے رمضاں
ہوتی ہو تراویح سے فرصت کب تک		سنتے ہو تراویح میں کتنا قراں

وہ اشعار اور قطعات جو دیوان مروجہ میں نہیں ہیں

قصیدہ

مرحبا سالِ فرخی آئیں	(۱)	عیدِ شوال و ماہِ فروردین
شب و روز افتخارِ لیل و نہار		مہ و سال اشرفِ شہور و سنین
گرچہ ہو بعد عید کے نوروز		لیک بیش از سہ ہفتہ بعد نہیں
سو اس اکیس دن میں ہولی کی		جا بجا مجلسیں ہوئیں رنگیں
شہر میں کو بہ کو عبیر و گلال		باغ میں سو بسو گل و نسریں
شہر گویا نمونۂ گلزار		باغ گویا نگارخانۂ چیں
تین تیوہار اور ایسے خوب		جمع ہرگز ہوئے نہ ہوں گے کہیں
پھر ہوئی ہو اسی مہینے میں		منعقد محفلِ نشاط قریں
محفلِ غسلِ صحتِ نواب		رونق افزائے مسندِ تمکیں
بزم گہ میں امیر شاہ نشان		رزم گہ میں حریفِ شیر کمیں
پیشگاہِ حضور شوکت و جاہ		خیر خواہِ جناب دولت و دیں
جن کی مسند کا آسماں گوشہ		جن کی خاتم کا آفتاب نگیں

جن کی دیوارِ قصر کے نیچے — آسماں ہے گدائے سایہ نشیں
دہر میں اس طرح کی بزمِ سرور — نہ ہوئی ہو کبھی بروئے زمیں
انجمِ چرخ گوہر آگیں فرش — نورِ بے ماہ ساغرِ سیمیں
راجہ اندر کا جو اکھاڑا ہے — ہے وہ بالائے سطحِ چرخِ بریں
وہ نظر گاہِ اہلِ وہم و خیال — یہ ضیا بخش چشمِ اہلِ یقیں
واں کہاں یہ عطاؤ بذل و کرم — کہ جہاں گدیہ گر کا نام نہیں
یاں زمیں پر نظر جہاں تک جائے — ژالہ آسا بچھے ہیں دُرِّ ثمیں
نغمۂ مطربانِ زہرہ نوا — جلوۂ لولیانِ ماہ جبیں
اُس اکھاڑے میں جو کہ ہے مفتون — یاں وہ دیکھا بہ چشمِ صورت بیں
سرورِ مہرِ فر ہوا جو سوار — بہ کمالِ تجمل و تزئیں
سب نے جانا کہ ہے پری توسن — اور بالِ پری ہے دامنِ زیں
نقشِ سمِّ سمند سے یکسر — بن گیا دشت دامنِ گلچیں
فوج کی گردِ راہ۔ مشک فشاں — رہ رووں کے مشام عطر آگیں
بس کہ بخشش ہے فوج کو عزت — فوج کا ہر پیادہ ہے فرزیں
موکبِ خاص یوں زمیں پر تھا — جس طرح ہے سپہر پر پرویں
چھوڑ دینا تھا گور کو۔ بہرام — ران پر داغِ تازہ دیکھے وہیں
اور داغ آپ کی غلامی کا — خاص بہرام کا ہے زیبِ سریں
بندہ پرور ثنا طرازی سے — مدعا عرضِ فنِ شعر نہیں
آپ کی مدح اور میرا منہ — گر کہوں بھی تو آئے کس کو یقیں
اور پھر اب کہ ضعفِ پیری سے — ہوگیا ہوں نزار و زار و حزیں
پیری و نیستی! خدا کی پناہ — دستِ خالی و خاطرِ غمگیں

صرف اظہار ہے ارادت کا		ہے قلم کو جو سجدہ ریزی میں
مدح گستر نہیں دعا گو ہے		غالب عاجز نیاز آگیں
ہے دعا بھی یہی کہ دنیا میں		تم رہو زندہ جاوداں۔ آمیں

قطعہ ۲

ایک اہلِ درد نے سنسان جو دیکھا قفس		یوں کہا آتی نہیں اب کیوں صدائے عندلیب
بال دو پر دو چار دکھلا کر کہا صیاد نے		یہ نشانی رہ گئی ہے اب بجائے عندلیب

۳

اُٹھا اک دن بگولا سا جو کچھ میں جوشِ وحشت میں

پھرا آسیمہ سر گھبرا گیا تھا جی بیاباں سے

نظر آیا مجھے اک طائرِ مجروح پر بستہ

ٹپکتا تھا سرِ شوریدہ دیوارِ گلستاں سے

کہا میں نے کہ او گمنام آخر ماجرا کیا ہے

پڑا ہے کام تجھ کو کس ستمگر آفتِ جاں سے

ہنسا کچھ کھل کھلا کر پہلے۔ پھر مجھ کو جو پہچانا

تو یہ رویا کہ جوئے خوں بہی پلکوں کے داماں سے

کہا میں صید ہوں اُس کا کہ جس کے دامِ گیسو میں

پھنسا کرتے ہیں طائر روز آکر باغ رضواں سے

اُسی کی زلف و رخ کا دھیان ہے شام و سحر مجھ کو

نہ مطلب کفر سے ہے اور نہ ہے کچھ کام ایماں سے

بچشمِ غور جو دیکھا مرا ہی طائرِ دل تھا
کہ جل کر ہو گیا یوں خاک میری آہِ سوزاں سے

قطعۂ تاریخ

اس کتابِ طرب نصاب نے جب
آب و تاب انطباع کی پائی

فکرِ تاریخ سال میں مجھ کو
ایک صورت نئی نظر آئی

ہند سے پہلے سات سات کے دو
دیے ناگاہ مجھ کو دکھلائی

اور پھر ہندسہ تھا بارہ کا
باہزاراں ہزار زیبائی

سالِ ہجری تو ہو گیا معلوم
بے شمولِ عبارت آرائی

مگر اب ذوقِ بذلہ سنجی کو
ہے جدا گانہ کارفرمائی

سات اور سات ہوتے ہیں چودہ
یہ امیدِ سعادت افزائی

غرض اس سے ہیں چاردہ معصوم
جن سے ہے چشم و جاں کو زیبائی

اور بارہ امام ہیں بارہ
جن سے ایماں کو ہے توانائی

ان کو غالبؔ یہ سال اچھا ہے
جو ائمہ کے ہیں تولائی

غزل

شبِ وصال میں مونس گیا ہے بن تکیہ
ہوا ہے موجبِ آرام و جان و تن تکیہ

خراج بادشہِ چیں سے کیوں نہ مانگوں آج
کہ بن گیا ہے خمِ جعدِ پرشکن تکیہ

بنا ہے تختۂ گل ہائے یاسمیں بستر
ہوا ہے دستۂ نسرین و نسترن تکیہ

فروغِ حسن سے روشن ہے خوابگاہ تمام
جو رختِ خواب ہے پرویں، تو ہے پرن تکیہ

مزا ملے کہو کیا خاک ساتھ سونے کا
رکھے جو بیچ میں وہ شوخِ سیم تن تکیہ

اگرچہ تھا یہ ارادہ مگر خدا کا شکر
اٹھا سکا نہ نزاکت سے گلبدن تکیہ

ہوا ہے کاٹ کے چادر کو ناگہاں غائب
اگرچہ زانوئے نل پر رکھے دمن تکیہ

بضربِ تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہوا
کہ ضربِ تیشہ پہ رکھتا تھا کوہکن تکیہ

یہ رات بھر کا ہے ہنگامہ صبح ہونے تک
رکھو نہ شمع پر اے اہلِ انجمن تکیہ

اگرچہ پھینک دیا تم نے دور سے لیکن
اٹھائے کیونکہ یہ رنجورِ خستہ تن تکیہ

غش آگیا جو پس از قتل میرے قاتل کو
ہوئی ہے اس کو مری نعشِ بے کفن تکیہ

شبِ فراق میں یہ حال ہے اذیت کا
کہ سانپ فرش ہے اور سانپ کا ہے من تکیہ

روا رکھو نہ رکھو - تھا جو لفظ تکیہ کلام
اب اس کو کہتے ہیں اہلِ سخن "سخن تکیہ"

ہم اور تم - فلکِ پیر جس کو کہتے ہیں
فقیر غالبِ مسکیں کا ہے کہن تکیہ

۶

جس دن سے کہ ہم خستہ گرفتارِ بلا ہیں
کپڑوں میں جوئیں بخیے کے ٹانکوں سے سوا ہیں

۷

میں ہوں مشتاقِ جفا مجھ پہ جفا اور سہی
تم ہو بیداد سے خوش اس سے سوا اور سہی

غیر کی مرگ کا غم کس لیے اے غیرتِ ماہ
ہیں ہوس پیشہ بہت وہ نہ ہوا اور سہی

تم ہو بت - پھر تمہیں - پندارِ خدائی کیوں ہے
تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی

حسن میں حور سے بڑھ کر نہیں ہونے کے کبھی
آپ کا شیوہ و انداز و ادا اور سہی

تیرے کوچہ کا ہے مائل دلِ مضطر میرا
کعبہ اک اور سہی، قبلہ نما اور سہی

کوئی دنیا میں مگر باغ نہیں ہے واعظ
خلد بھی باغ ہے خیر، آب و ہوا اور سہی

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یا رب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

مجھ کو وہ دو کہ جسے کھا کے نہ پانی مانگوں — زہر کچھ اور سہی آبِ بقا اور سہی
مجھ سے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی — ایک بیداد گرِ رنج فزا اور سہی

۸
بس کہ فعالِ ما یرید ہے آج — ہر سلحشور انگلستاں کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے — زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے — گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دہلی کا ذرہ ذرۂ خاک — تشنۂ خوں ہے ہر مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آ سکے یاں تک — آدمی واں نہ جا سکے یاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا — وہی رونا تن و دل و جاں کا
گاہ جل کر کیا کیے شکوہ — سوزشِ داغ ہائے پنہاں کا
گاہ رو کر کہا کیے باہم — ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا
اس طرح کے وصال سے یارب — کیا مٹے دل سے داغ ہجراں کا

۹
بہ رہنِ شرم ہے با وصفِ شوخی اہتمام اس کا — نگیں میں جوں شرارِ سنگ ناپیدا ہے نام اس کا
مسی آلودہ ہے مہرِ نوازش نامہ ظاہر ہے — کہ داغِ آرزوئے بوسہ دیتا ہے پیام اس کا
بامیدِ نگاہِ خاص ہوں محمل کشِ حسرت — مبادا ہو عناں گیرِ تغافل لطفِ عام اس کا

۱۰
شب کہ ذوقِ گفتگو سے تیرے دل بیتاب تھا — شوخیِ وحشت سے افسانہ فسونِ خواب تھا
واں ہجومِ نغمہ ہائے سازِ عشرت تھا اسد — ناخنِ غم یاں سرِ تارِ نفس مضراب تھا

۱۱
دود کو آج اس کے ماتم میں سیہ پوشی ہوئی — وہ دلِ سوزاں کہ کل تک شمعِ ماتم خانہ تھا
شکوۂ یاراں غبارِ دل میں پنہاں کر دیا — غالب ایسے گنج کو شایاں یہی ویرانہ تھا

۱۲
پھر وہ سوئے چمن آتا ہے خدا خیر کرے — رنگ اڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا

۱۳
معزولیِ تپش ہوئی افراطِ انتظار — چشمِ کشودہ حلقۂ بیرونِ در ہے آج

مصرع اول	نمبر	مصرع ثانی
میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب	۱۴	جس کا دیوان کم از گلشن کشمیر نہیں
مے کشی کو نہ سمجھ بے حاصل	۱۵	بادہ غالب عرق بید نہیں
ہے نزاکت بس کہ فصلِ گل میں معمارِ چمن	۱۶	قالبِ گل میں ڈھلی ہے خشتِ دیوارِ چمن
ظاہر ہیں میری شکل سے افسوس کے نشاں	۱۷	خارِ الم سے پشت بدنداں گزیدہ ہوں
ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج		میں عندلیبِ گلشنِ ناآفریدہ ہوں
ابر روتا ہے کہ بزمِ طرب آمادہ کرو	۱۸	برق ہنستی ہے کہ فرصت کوئی دم ہے ہم کو
ہندوستان سایۂ گل پائے تخت تھا	۱۹	جاہ و جلالِ عہدِ وصالِ بتاں نہ پوچھ
ہر داغِ تازہ یک دلِ داغ انتظار ہے		عرضِ فضائے سینۂ درد امتحاں نہ پوچھ
کہتا تھا کل وہ محرمِ راز اپنے سے کہ ہاں		دردِ جدائیِ اسد اللہ خاں نہ پوچھ
دیدہ خوں بار ہے مدت سے و لے آج ندیم	۲۰	دل کے ٹکڑے بھی کئی خون کے شامل آئے
اب ہے دلی کی طرف کوچ ہمارا غالب		آج ہم حضرتِ نواب سے بھی مل آئے
ہجوم ریزشِ خوں کے سبب رنگ اڑ نہیں سکتا	۲۱	حنائے پنجۂ صیاد۔ مرغِ رشتہ برپا ہے
غالب زبس کہ سوکھ گئے چشم میں سرشک	۲۲	آنسو کی بوند گوہر نایاب ہو گئی
بہا ہے یاں تک اشکوں میں غبارِ کلفتِ خاطر	۲۳	کہ چشمِ تر میں ہر اک پارۂ دل پائے در گل ہے
کمالِ حسن۔ اگر موقوف۔ اندازِ تغافل ہو	۲۴	تکلف برطرف۔ تجھ سے تری تصویر بہتر ہے
حیراں ہوں شوخیٔ رگِ یاقوت دیکھ کر	۲۵	یاں ہے کہ صحبتِ خس و آتش برابر ہے
(۲۶)		چند تصویرِ بتاں۔ چند حسینوں کے خطوط بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

تمام شد

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

دیوان غالب اردو

غزل نمبر ۱

نقش ۔ تصویر ۔
کاغذی پیرہن ہونا ۔ ایران میں یہ رسم تھی کہ دادخواہ کاغذ پہن کر حاکم کے پاس جاتا تھا ۔ اسی رسم کی طرف غالب نے اشارہ کیا ہے کاغذی پیرہن ہونا ۔ دادخواہ ہونا
کاو کاو ۔ کاوش ۔
جوئے شیر ۔ فرہاد نے اپنی مطلوبہ محبوبہ یعنی شیریں کے ایما سے پہاڑ کھود کر ایک نہر تیار کی تھی ۔ جس میں پہاڑوں کی بکریوں کا دودھ دوہا جاتا تھا اور وہ اس نہر کے ذریعے اس حوض میں جو شیریں کے محل سرا میں بنا ہوا تھا پہونچتا تھا ۔

جذبہ ۔ کشش ۔
دم شمشیر ۔ تلوار کی باڑھ ۔
آگہی ۔ آگاہی کا مخفف بمعنی خبر
دام شنیدن بچھانا ۔ سننے کا قصد کرنا ۔
آتش زیر پا ۔ بیقرار
موئے آتش دیدہ ۔ وہ بال جو آگ کی گرمی سے حلقہ دار اور کمزور ہو گیا ہو ۔

۲

بروئے کار آیا ۔ میدان میں آیا ۔
سویدا ۔ دل کا سیاہ نقطہ
داغ عیوب برہنگی ۔ انسانی صفات سے خالی ہونا ۔
تنگیِ وجود ۔ تنگیِ ہستی ۔
کوہ کن ۔ پہاڑ کھودنے والا فرہاد سے مراد ہے ۔
سرگشتۂ خمار رسوم وقیود ۔ رسوم وقیود کی بے لطف کیفیت میں مبتلا (خمار اس بے مزگی کو کہتے ہیں جو نشہ اترتے وقت پیدا ہوتی ہے)

۳

دوست دار دشمن ۔ دشمن کو دوست رکھنے والا ۔
پرکاری ۔ عیاری ۔ سادگی کا مقابل ہے ۔

۴

بے محابا۔ بلا کسی مروت یا لحاظ کے (محاباۃ عربی میں باہم نزدیک ہونے یا آپس میں سلوک کرنے کو کہتے ہیں) اردو میں یکایک کے معنی میں مستعمل ہے۔

بال عنقا۔ عنقا کا بازو اور اس شے سے مراد ہے جو عدم میں ہو) عنقا ایک ایسے موہوم جانور کو کہتے ہیں جس کا کسی کو پتا نہیں۔ صرف اشعار میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے

عرض کرنا۔ پیش کرنا۔

جوہر اندیشہ۔ فکر کا جوہر سوچ بچار کی قابلیت۔

چراغاں۔ یہ لفظ چراغ کی جمع نہیں ہے بلکہ فارسی میں بطور حاصل مستعمل ہے اُس روشنی کو کہتے ہیں جو بہت سے چراغ جلا کر کی جائے۔ اس معروف معنی کے علاوہ اس سزا کا نام ہے جو مجرم کے سر میں چند گہرے زخم لگا کر اور ان میں شمع روشن کر کے دی جائے

کارفرما۔ کام لینے والا۔ کارکن کا مقابل ہے۔

طرز تپاک۔ اظہار گرمجوشی کا طریقہ۔ یہاں تپاک سے وہ ظاہری آؤ بھگت مراد ہے جو منافقانہ کی جائے

شوق۔ عشق سے مراد ہے۔

ہر رنگ۔ ہر طرح۔ ہر حال میں

رقیب۔ دشمن۔

تنگی دل کی داد نہ دی۔ تنگی دل کو قائل نہ کیا۔

پرافشاں۔ پریشان و سراسیمہ۔

مائدہ۔ کھانا دینے والا۔ مجازاً دسترخوان۔

۶

باب نبرد۔ لائق نبرد جنگ کے قابل۔

عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا۔ عشق جنگجو جواں مرد بہادر کو مقابلہ کے لیے چاہتا تھا۔

۷

صد دل بہ یک کف بردن۔ ایک ہی وار میں سو سو دل ہتیا لینا

ہوائے سیر گل۔ سیر گل کی خواہش

آئینہ بے مہری قاتل۔ قاتل کی بے مہری یا بیدردی کا ظاہر کرنیوالا

بسمل بخون غلطیدہ۔ گل کو اُس کی سرخی کے بنا پر اُس بسمل سے تشبیہ دی ہے جو لوٹ کر خون میں نہا گیا ہو۔

جراحت۔ بالکسر زخم۔

الماس۔ بالفتح ہیرا۔ اور جوہردار تلوار کی ایک قسم

غم خوار جان دردمند۔ عشق سے مراد ہے۔

۸

زمرد۔ سبز رنگ کا ایک قیمتی نگینہ یعنی نیلم اس کے رنگ کی بنا پر سبزۂ خط سے تشبیہ دی ہے۔

افعی۔ سانپ مجازاً معشوق کے کاکل زلف

گلبانگ۔ آواز نوش

حریف۔ مقابل۔

حریف دم عیسیٰ نہ ہوا۔ یعنی دم عیسیٰ کو برداشت نہ کر سکا۔

۹

طاق نسیاں۔ فارسی کا معروف محاورہ ہے۔ ایک جگہ بام نسیاں بھی استعمال ہوا ہے۔ فراموشی اور بھول سے مراد ہے۔

مرجان۔ ایک قسم کا بحری درخت ہے سمندر میں کیڑے سے تیار کرتے ہیں اور جسے ہندی میں مونگا کہتے ہیں۔

سطوت۔ رعب

نیستاں - نَے پیدا ہونے کی جگہ۔ نَے وہ چیز ہے جس سے نالے کے مانند آواز پیدا ہوتی ہے۔

سروِ چراغاں - ایک مصنوعی درخت چاندی یا لکڑی کا جس پر بہت سے چراغ روشن کیے جائیں اُس کو فارسی میں چہلچراغ کہتے ہیں۔ اور یہی لفظ چہلچراغ اسی معنے میں قدما کے یہاں پایا جاتا ہے۔ غالب اور دیگر متاخرین شعرا نے اسی معنی میں سروِ چراغاں لکھا ہے۔

شبنمستان - وہ جگہ جہاں پر اوس یا شبنم بکثرت جمع ہو۔

مضمر - پوشیدہ۔

ہیولیٰ - مادہ

خونِ گرم - سرگرمی۔

سبزہ - یہاں سبزہ سے مراد سبزہ بیگانہ ہے۔ سبزہ بیگانہ اُس سبزہ کو کہتے ہیں جو بے موقع اُگے۔

خوں گشتہ - خوں گشتن خوں شدن کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ خوں گشتہ آرزوؤں سے مراد وہ آرزوئیں ہیں جن کا خون ہوچکا ہے یعنی جو پوری نہ ہوئی ہوں۔

چراغِ مردہ - بجھا ہوا چراغ۔

تبسم ہائے پنہاں - چپکے چپکے کی ہنسی۔

مژگانِ اشک آلودہ - آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی پلکیں۔

یک بیاباں ماندگی - کثرتِ ماندگی۔

ناک میں دم آنا - بیزار ہونا۔

۱۱

سراپا رہنِ عشق - ہمہ تن مبتلائے عشق۔

ناگزیرِ الفتِ ہستی - جان کو عزیز رکھنے پر مجبور ہونا۔

حاصل - خرمن۔

خمیازہ - انگڑائی۔ مجازاً برے کام کا نتیجہ۔

۱۲

محرم - وہ شخص جو حرم یعنی پردہ نشینوں میں آتا جاتا ہو۔ وہ شخص جو بھیدوں سے واقف ہو۔

حجاب - پردہ۔

رنگِ شکستہ - اُڑا ہوا رنگ

مژہ ہائے دراز - دل میں گھر کرنے والی پلکیں۔

صرفہ - فائدہ۔

[illegible] - نغمہ۔

نفسِ جاں گداز - جان کو گھلا دینے والی سانس یعنی سوز کو تحلیل کرنے والی آہ۔

شیشہ باز - بازی گروں کا ایک فرقہ ہے جو گلاب سے بھرا ہوا شیشہ اور صراحی سر پر رکھکر ناچتے ہیں اِن کا کمال یہ ہے کہ باوصف حرکاتِ رقاصی شیشہ ان کے سر سے نہیں گرتا۔

گرہِ نیم باز - دل سے مراد ہے یعنی وہ دل جو بوجہ تنگی کے گرہ ہو کر رہ گیا ہو۔

تاراج - غارت فارسی میں تاراج دادن و تاراج کردن دونوں طرح آیا ہے۔ غالب نے اردو میں تاراج ہونا استعمال کیا ہے۔

دشنہ - خنجر۔

۱۳

زہرہ - پتّا

جوالہ - کودنے والا۔

پنبۂ بالش - تکیہ کی روئی

کفِ سیلاب - سیلاب کے جھاگ۔

خونِ ناب - خالص خون۔

دیوار جو۔ دیوار کو ڈھونڈنے والا (عاشق کے سر سے مراد ہے جو نیند نہ آنے کے سبب ٹکرانے کے لیے دیوار کو تلاش کر رہا تھا)

فرقِ ناز۔ معشوق کا ناز پروردہ سر۔

موجِ رنگ کا طوفان تھا۔ فصلِ گل کا جوش تھا۔

سوختن کا باب تھا۔ سوختن کا مصدر گردانا جاتا تھا یعنی جلنا ہی جلنا نظر آتا تھا۔

دل اس رنگ سے خوں نابہ ٹپکانے لگا۔ دل اس طرح اپنا دکھڑا بیان کرنے لگا۔

کاوشِ ناخن استعارہ ہے کاوشِ غم سے۔

۱۵

سپند۔ کالا دانہ جو نظر کے لیے جلایا جاتا ہے۔

مقدمِ سیلاب۔ سیلاب کا آنا۔ مقدم کے لفظی معنے کسی جگہ سے واپس ہونے کے ہیں۔

نشاط آہنگ۔ مسرور

سازِ صدائے آب۔ اس فارسی جملے سے غالبؔ نے جل ترنگ کا مفہوم ادا کیا ہے۔ جل ترنگ ہندوستانی باجہ کا نام ہے جس میں سات پیالوں میں پانی رکھا جاتا ہے اس کے کناروں کو دو لکڑیوں سے بجاتے ہیں۔ اس کے بجانے سے سارنگی کی آواز پیدا ہوتی ہے۔

پہلوئے اندیشہ۔ پہلوئے خیال۔

سنجاب۔ بالکسر ایک جانور کا نام ہے جس کے چمڑے سے پوستین بناتے ہیں۔ اور اس پوستین کو بھی سنجاب کہتے ہیں جس کا رنگ خاکی ہوتا ہے۔

کچھ نہ کی۔ کچھ نہ ہو سکا۔

جنونِ نارسا۔ عشقِ ناتمام۔

روکش۔ مقابل۔

۱۶

ماتمِ یک شہر آرزو۔ ہزاروں آرزوؤں کا خون۔ (یک شہر آرزو میں وہی ترکیب ہے جو یک بیابان ماندگی میں پہلے آچکی ہے)

تمثال دار۔ تصویر رکھنے والا۔

ہوائے سرِ رہ گزار۔ معشوق کے رہ گزر کی خواہش۔

سراب۔ بالفتح۔ وہ ریت جو دور سے چمکتی ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پانی بہ رہا ہے۔ اسی مناسبت سے شاعر نے موجِ سراب کہا ہے۔ اور اس طرح پیاسا آدمی سراب کو دور سے دیکھ کر دھوکا کھا جاتا ہے۔

غمِ روزگار تھا۔ یعنی سب سے زیادہ تھا۔ سارے عالم کا غم تھا۔

۱۷

انسان ہونا۔ انسان کامل ہونے سے مراد ہے۔

عیدِ نظارہ۔ عیدِ نظارہ سے معشوق کے دیدار کی خوشی مراد ہے۔

بصد رنگ گلستاں ہونا۔ خوشی سے باغ باغ ہونا۔

زخمِ تمنا کھانا۔ آرزو پوری نہ ہونا

۱۸

رستخیز۔ قیامت کا دن۔

(رستخیز اندازہ۔ قیامت کے مثل)

محیطِ بادہ۔ شراب کے پیالے کا وہ خط جہاں تک شراب بھری ہے

یک قدم وحشت۔ تھوڑی وحشت۔

دو عالم دشت۔ کثرتِ ویرانی

دیبے اوراقِ لختِ دل بہ باد۔ یہ جملہ فارسی محاورہ اوراقِ لختِ دل بہ باد دادن سے غالبؔ نے

لیا ہی برباد کرنے سے مراد ہی۔

۱۹

معمورہ۔ شہر آبادی۔

۲۰

تیر نیم کش۔ وہ تیر جسے چھوڑتے وقت کمان دار نے پورا نہ کھینچا ہو۔

۲۱

نشاطِ کار۔ کام کرنے کی امنگ
تجاہل پیشگی۔ تجاہل شعاری جان بوجھ کر انجان بننے کی عادت
نوازش ہائے بیجا۔ وہ مہربانیاں جو غیر مستحق لوگوں پر یعنی اغیار پر کی جائیں۔
شکایت ہائے رنگیں۔ دوستانہ شکایتیں جو بہ طریق محبت ادا کی جائیں۔
نگاہِ بے محابا۔ نگاہِ بے تکلف (بے محابا کا لفظ اس غزل سے پہلے غزل نمبر ۴ میں بھی آیا ہی وہاں ملاحظہ ہو)
تغافل تمکیں آزما۔ وہ چشم پوشی جو صبر کی آزمائش کے لیے کی جاے
ہوس۔ رقیب کی جھوٹی محبت کی طرف اشارہ ہی۔

ناموس۔ لغوی معنی عصمت و عفت یہاں قاعدہ و دستور کے معنی میں آیا ہی۔
ساز انا البحر۔ وہ باجا جس سے یہ آواز نکلے کہ میں دریا ہوں۔
محابا کیا ہی۔ تامل کیا ہی۔
جگر داری۔ استقلال۔

۲۳

جولاں۔ بفتح اول و ثانی۔ عربی لفظ ہی مگر فارسی میں واؤ کے سکون کے ساتھ مستعمل ہی۔ یعنی دوڑنا کودنا گھوڑے کے کاوا دینے کو بھی کہتے ہیں "جنوں جولاں" سے شاعر کی مراد ہی کہ ہم عشق میں مجنونوں کی شکل پریشان پھرتے ہیں۔ یہ غالب کی خاص ترکیب ہی۔
پشتِ خار۔ پیٹھ کھجانے کا ایک آلہ جو اکثر آزاد فقیروں کے پاس ہوتا ہی۔

۲۴

حسن تماشا دوست۔ وہ حسن جو نمائش کو پسند کرتا ہی۔
پیشانہ۔ سطمہ۔

۲۵

پرتو مہتاب۔ چاندنی۔
نگاہِ گرم۔ نظر عتاب۔

۲۷

پاسخ مکتوب۔ جواب خط۔

۲۸

نفس پرور۔ نفس کو پالنے والا یعنی دم سادھنے والا یہاں ساکت سے مراد ہی۔ یعنی قطرہ جو ٹپکنے والا تھا افراط حیرت سے ٹپکتے ٹپکتے تھم گیا۔ یعنی منجمد ہو گیا۔

عربدہ۔ بالفتح۔ لغوی معنی جنگجوئی کے ہیں۔ عربدہ میدان سے مراد میدان عربدہ یعنی میدان جنگ ہے
طلسم باندھنا۔ طلسم بنانے کے معنی میں استعمال ہوا ہی۔

۳۱

یک عمر ورع۔ پرہیزگاری کی مدت معینہ (ورع تو رع کا مادہ ہی)

۳۲

ڈبویا - تباہ کیا۔

۳۳

فتیلہ - بتی۔ اردو میں فتیلے کو بگاڑ کر فلیتہ بنا لیا ہی جو اسی معنی میں استعمال ہوتا ہی۔

آشوب - شور و غوغا - آشوب آگہی سے دنیا کی زرق برق کی طرف جس میں ہر ذی ہوش مبتلا رہتا ہی اشارہ ہی۔

ایاغ - جام شراب (ترکی لفظ ہی)

تریاکی - فارسی لغت میں اس شخص کو کہتے ہیں جو افیون کھانے کا عادی ہو - یہاں محض عادی سے مراد ہی - تریاکی ایک مشہور فارسی شاعر کا تخلص بھی تھا۔

دودِ چراغ - فکر کلام روشن سے مراد ہی۔

۳۴

شبستان - رات گزارنے کی جگہہ۔

۳۵

تشنۂ فریاد آیا - فریاد کی خواہش ہوئی (یہاں آیا بمعنی ہوا استعمال کیا گیا ہی)

نیرنگ - بالکسر و یائے معروف بمعنی جادو و افسوں - نیرنگ نظر سے مراد معشوق سے ہی جس کی نگاہ میں جادو بھرا ہوا ہو یعنی جس کو ایک نظر دیکھ لیتا ہی وہ بے ہوش ہو جاتا ہی۔

۳۶

عناں گیر - باگ پکڑنے والا (یہاں مراد روکنے والے سے ہی)

شائبہ - ملاوٹ۔

فتراک - چمڑے کے تسمے جو زین کی دونوں جانب شکار باندھنے کے لیے لٹکائے جاتے ہیں۔

نخچیر - بالفتح - شکار کیا ہوا جانور ہرن وغیرہ۔

ترکش - تیر رکھنے کا خانہ

ریختہ - فارسی لفظ ہی لغوی معنی منتشر - بکھرا ہوا - مجازاً زبان اردو کو کہتے ہیں جو کئی زبانوں سے مل کر بنی ہی۔

۳۷

در تشنگیٔ مردگاں - تشنگی استعارہ ہی - آرزو و شوق سے مردگاں مردہ کی جمع ہی - پورے جملہ کے معنے ہوئے وہ لوگ جو آرزو و شوق میں مر چکے ہیں۔

ہمہ ناامیدی ہمہ بدگمانی یہ پورا مصرعہ فارسی ہی بمعنی سراسر یاس و ناامیدی کا۔

فریب وفا خوردگاں - وہ لوگ جو وفا کا فریب کھائے ہوئے ہیں۔

۳۸

ماہِ نخشب - وہ مصنوعی چاند جس کو مقام نخشب میں مشہور حکیم ابن مقنع المعروف بہ حکیم نخشبی نے بنایا تھا - یہ چاند ایک کنوئیں سے نکلتا تھا - لیکن اس کی روشنی چار فرسنگ یعنی ۱۲ میل سے زیادہ نہ پھیلتی تھی (ایک فرسنگ یا فرسخ ۳ میل کے برابر ہوتا ہی)

سادہ دل - بیوقوف۔

معاصی - جمع معصیت بمعنی گناہ

تنگ آبی - پانی کی کمی۔

سمندر - کہتے ہیں کہ بڑے چوہے کے برابر ایک جانور ہوتا ہی جو چھانٹے آتش کدہ میں پیدا ہوتا ہی یہ جانور آگ ہی میں زندہ رہ سکتا ہی آگ سے جدا ہونے پر مر جاتا ہی زمانہ حال کی تحقیقات نے علم الحیوانات

ہیں اس جانور کا کہیں پتا نہیں ہے۔
اس کا وجود عنقا کی طرح شاعروں کے
ذہن تک محدود ہے۔

۳۹

رشتۂ شمع - موم بتی کا تاگا۔
کسوتِ فانوس - لوہے کے۔
قندیل پر جو کپڑا چڑھایا جاتا ہے اُسے
کسوتِ فانوس کہتے ہیں۔ صرف
کسوت کے معنی پوشاک کے ہیں۔
خار کسوتِ فانوس تھا - بیقرار
تھا۔ فارسی میں خار در پیراہن بودن
ایک محاورہ ہے جو بیقرار و بےچین
ہونے کے موقع پر بولا جاتا ہے۔
دل بہ دل پیوستہ - معشوق
کے دل سے دل ملا ہوا۔
کیموس - اصطلاح طب میں غذا
کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جو طبخ
دوم میں یعنی معدے میں پہنچنے
کے بعد پانی کی طرح رقیق ہو کر خون
بن جاتی ہے۔ یہ لفظ سریانی زبان سے
آیا ہے۔

۴۱

ہوا اُسے کشتِ وفا - آرزوئے
وفا۔

۴۵

صیدِ زدامِ جستہ - جال سے
نکلا ہوا شکار۔
پُرگل - پھولوں سے بھرا ہوا۔

۴۶

لاگ - دشمنی۔
لگاؤ - محبت۔

۴۷

حریفِ مقابل۔
جوششِ دریا - دریا کا سیلاب

۴۸

قفلِ ابجد - وہ قفل جس کے حلقوں
کے سرے پر حروفِ ابجد کندہ
ہوتے ہیں۔ جب اُن حلقوں کے
سرے کو اس طریقے سے کہ وہ سب
حروف ابجد ترتیب سے ہو جائیں
ملا دیا جاتا ہے تو وہ قفل کھل جاتا ہے دوسری
صورت میں یہ قفل کھل نہیں سکتا۔
صیقل - جلا۔ صفائی۔ مجازاً اُس
مسالے کو کہتے ہیں جس سے آئینے کو جلا
دی جاتی ہے۔

۴۹

موجِ شراب بال کشا ہو - موج
شراب اپنا بازو کھولے یعنی دور
شراب شروع ہو۔
بطِ مے - شراب کی صراحی جو بط کے
ہم شکل ہو۔
دل و دستِ شناوری - شناوری
کا دل و دست یعنی پیراکی کی قوت
اسبابِ چمن - باغ کے درخت
اور پودے۔
غرقۂ مے - شراب میں ڈوبا
ہوا۔
موجِ شراب کا سر سے گزرنا
نشہ کا حد سے گزر جانا۔
موجِ نباتی - قوتِ نامیہ یعنی وہ
قوت جس سے نباتات اور حیوانات
بڑھتے ہیں۔
رگِ تاک - انگور کے درخت
کی سالش۔
سرِ نشو و نما - نشو و نما کا خیال
طوفانی - جوش و خروش کا
اظہار کرنے والی۔

۵۱

علی الرغم - برخلاف، برعکس۔
سر و برگ - سامانِ سفر۔

۵۲

خانہ ویراں سازئ حیرت -
خانہ ویرانی جو حیرت کے ہاتھوں

ہوئی۔

۵۴

حلقۂ بیرونِ در۔ بیرونِ در کی زنجیر کا حلقہ وہ شخص جس کو اندر آنے کی اجازت نہ ہو۔

۵۵

کیا علاج۔ کیا سزا۔

۵۶

نفس در انجمن آرزو سے باہر کھینچ۔ ترکِ آرزو نہ کر۔
تلاش۔ سعی و جستجو یہ ترکی لفظ ہے۔
نازِ بستر کھینچنا۔ بستر پر پڑے پڑے نیند کا انتظار کرنا۔
نیام۔ تلوار کا غلاف۔ یعنی میان

۵۷

خاک میں۔ قبر میں۔
در خورِ عرض۔ قابلِ اظہار

۶۱

طومار۔ دفتر۔
پشتِ چشم سے مہر ہونا معشوق کا آنکھ چھپانا اور کنکھیوں سے دیکھنا۔ (اغماض و تغافل)۔

۶۲

سبک دست۔ مشاق
نالے چڑھ جاتے ہیں۔ یعنی نالوں کا پانی ترقی کر جاتا ہے نالے سے مراد یہاں ندی نالے ہیں۔

۶۳

آب بر جا ماندہ۔ ایک جگہ ٹھہرا ہوا پانی۔
تدبیر۔ علاج۔

۶۴

متاعِ بردہ:۔ لٹی ہوئی پونجی۔
بے سبب رنج۔ بلاوجہ رنجیدہ ہونا۔ خفا ہونا
آشنا دشمن۔ معشوق۔

۶۵

ناصیہ فرسا۔ پیشانی گھسنے والا

۶۶

زر از دست رفتہ۔ ہاتھ سے گئی ہوئی اشرفی۔

۶۷

فسونِ نیاز۔ دعائے نیاز۔
ہرزہ۔ بیہودگی۔
وصال جلوہ تماشا ہے
وصالِ یار جلوہ تماشا ہے یعنی معشوق کا وصال جلوۂ حسن کا تماشا دکھانے والا ہے۔
پرداز۔ صیقل۔
مے خانہ جنوں۔ مجازاً صحرائے جنوں۔
کاسۂ گردوں۔ آسمان مراد ہے۔
خاک انداز۔ وہ ظرف جس میں کوڑا کرکٹ پھینکا جائے۔

۶۸

یک قلم۔ یکسر۔

۶۹

نہ نکلا دل سے فراموش نہ ہوا۔

۷۰

لافِ تمکیں۔ ثابت قدمی اور وقار کی شیخی۔
راز ہائے سینہ گداز۔ دل کو پگھلا دینے والے بھید۔

۷۱

جگر تشنۂ آزار۔ خواہش مندِ آزار

تسلی نہ ہوا۔ تسلی پانے والا نہوا

۷۳

اہتزاز۔ جنبش کرنا خوشی سے
پھڑکنا۔
گلِ خزانی۔ خزاں کا مارا ہوا
پھول۔

۷۴

دل جلنا۔ دل کڑھنا
ناتمامی۔ ادھورا پن۔
نفسِ شعلہ بار۔ اشتعالِ حرارت
پیدا کرنے والی آہ۔

۷۵

زخمِ جگر کی داد دینا۔ زخمِ جگر
پر نمک چھڑکنا۔
توفیر۔ زیادہ کرنا۔

۷۶

نہنگ۔ مگرمچھ۔
دل کا کیا رنگ کروں۔ دل
کے سنبھالنے کی کیا تدبیر کروں۔
پرِ تو خور۔ دھوپ۔

۷۷

بجز یک دلِ بے مدعا۔ ایک دل
بے مدعا کے سوا۔

۷۸

ہوائے گل۔ شوقِ گل۔
حسنِ غیور۔ غیرت رکھنے والی
خوبصورتی۔
میری نگاہ میں خون ہے؛ میری
نظر کو بھلا نہیں معلوم ہوتا۔
گل در قفائے گل۔ ایک پھول
کے بعد دوسرا پھول قفا کے
لغوی معنی گدی کے ہیں۔
جیب گریبان۔

۷۹

ورق گردانی۔ ورق گردانا
مراد ہے۔
پیدائی نہیں۔ ظہور نہیں

۸۰

دل بستگی۔ تعلق خاطر (شاعر نے
یہاں دلبستگی کو زنجیر سے مشابہ
کیا ہے۔)

۸۱

کمیں۔ گھات۔
وارستگی۔ آزادی۔

۸۲

پائے افگار۔ زخمی پاؤں۔
مہر گیا۔ ایک قسم کی بوٹی جس کی
جڑ آدمی کی صورت کی ہوتی ہے
مشہور ہے کہ اس میں تسخیر کی تاثیر
ہے۔ یعنی جو شخص اسے اپنے پاس
رکھتا ہے اس پر لوگ مہربانی کرتے
رہتے ہیں۔

۸۵

ہیولیٰ۔ اس مادہ کو کہتے ہیں
جو مختلف صورتوں میں تبدیل
ہو سکے۔
گلخن۔ بھاڑ۔

۸۶

منفعل نہ چاہ۔ شرمندہ کرنا پسند
نہ کر۔

۸۹

جاں گدازی۔ جان کو گھلانے
کی حالت۔
پشت۔ مدد۔
ہل من مزید۔ یہ جملہ قرآن مجید میں
آیا ہے جس کے معنے ہیں "کچھ اور بھی
لاؤ"
آذر فشاں۔ آتش فشاں۔
روح القدس۔ جبرئیل علیہ السلام

فرشتہ کہتے ہیں۔

۹۰

زبونی کش :- زبوں بالفتح زا بمعنی عاجز۔ زبونی کشِ تاثیر غالب کی خاص ترکیب ہے۔ بمعنی تاثیر سے عاجز ہونے والا یعنی بے اثر۔

سر کھجانا۔ مار کھانے کو جی چاہنا۔

جہاں زخم سر اچھا ہو جائے "جہاں" اس موقع پر جب وقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۹۱

دلِ چشم۔ وسط چشم۔

۹۲

برشکال۔ برسات۔

دیوار کھِل جانا۔ دیوار کا شق ہو جانا۔

۹۳

جاں سپاری۔ عاشقی اور جان بازی سے مراد ہے۔

تخم بید۔ بید کا درخت جس میں پھل نہیں آتا۔

۹۴

خیابانِ خیال۔ خیابان بمعنے پھلواڑی۔ خیابان کو تکرار کے ساتھ کہنا غالب کا خاص انداز ہے۔ جس سے مراد کثرت ہے "خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں" یعنی بہت سے ارم دیکھتے ہیں۔

ارم۔ باغ بہشت جو شداد نے ملک یمن میں بنایا تھا۔

تف نالہ۔ نالہ کی گرمی۔

شبرو۔ چور یا سارق۔

۹۵

التہاب۔ لغوی معنی بھڑکنا (شعلہ کا) مادہ لہب ہے بمعنی شعلۂ آتش۔

۹۶

سماع۔ لغوی معنے سننے کے ہیں صوفیوں کی اصطلاح میں معرفت الٰہی کے اشعار سننے کو کہتے ہیں۔ جو خوش آوازی سے گائے جائیں

رخش۔ اس رنگ کو کہتے ہیں جس میں سفیدی اور سرخی ملی ہوئی ہو رستم کے گھوڑے کو اس کے رنگ کی مناسبت سے رخش کہتے تھے مجازاً ہر گھوڑا۔ غالب نے بلا لحاظ کسی رنگ کے محض گھوڑے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

شہود۔ تصوف کی وہ منزل کہ سالک کو تمام موجودات عالم میں حق ہی حق نظر آئے۔

غیب الغیب۔ سے مراد مرتبۂ احدیت ذات ہے جو انسان کی سمجھ سے پرے ہے اور اسی کو مقام ہو ہو کہتے ہیں۔

۹۷

نوحہ۔ ماتم۔ مجازاً رونا پیٹنا۔

نوحہ گر۔ ماتم کرنے والا۔ مردے کا بیان کر کے رونے پیٹنے والا۔

غالب کا مطلب یہاں اجرہ دار نوحہ گر سے ہے۔ لکھنؤ وغیرہ میں ایسے لوگ جو اجرت پر ماتم کریں۔ اب بھی ملتے ہیں۔ جن کو بسورے کہتے ہیں۔

سمندِ ناز۔ وہ گھوڑا جو ناز سے چلتا ہے۔

گہر۔ گوہر کا مخفف بمعنی نسل اور اصل۔ عالی گہر۔ اچھی نسل والا۔

۹۸

منظور نہیں۔ تماشا ہستی مطلق کی کمر الخ اس شعر میں ہیں منظور نہیں۔ کو منظور کے لفظی معنی کے

لحاظ سے ہمیں دکھائی نہیں دیتا کی جگہہ استعمال کیا گیا ہے منظور نظر کا معقول ہے یعنی وہ چیز جو نظر آئے۔

تنگ ظرفی۔ چھوٹے حوصلے والا عالی ظرف کی ضد ہے۔ ظرف کے لفظی معنی برتن ہیں۔ اصطلاحاً حوصلہ۔ تنگ ظرفی یعنی کم حوصلگی استعمال ہوا ہے۔

دردی کش۔ تلچھٹ پینے والے۔

پیمانۂ جم:۔ جام جم۔

افشردۂ انگور۔ وہ شراب جو انگور نچوڑ کر تیار کی جائے۔

۹۹

اہل بینش۔ غور سے دیکھنے والے لوگ۔

لطمۂ موج۔ موج کا تھپیڑا۔

ہما۔ یہیں الف نہ بہ زائد کیا گیا ہے جیسے وا در نیا میں۔

سپد۔ ٹوکرا۔

۱۰۳

تنہا بیٹھنا لگ گیا۔ تنہا بیٹھنے کا مرض لگ گیا۔

زوال آمادہ۔ آمادۂ زوال یعنی زوال کی طرف مائل۔

۱۰۶

مضمون کی ہوا باندھتے ہیں

مضمون کا اعتبار بڑھاتے ہیں۔ اپنی ہوا باندھتے ہیں۔ اپنا رعب جماتے ہیں۔

واشدِ گل۔ پھول کا کھلنا۔

واماندگی۔ مجبوری۔

سادہ پُرکار۔ (بدون اضافت) وہ شخص جو باوصف سادگی عیار ہو پُرکار۔ یعنی عیار آتا ہے۔

۱۰۷

بجانِ اسد۔ اسد کی جان کی قسم۔

۱۰۸

عقوبت۔ انجام کار اس کا مادہ عقب ہے۔

۱۰۹

بنات النعش۔ آسمان پر شمال کی طرف سات ستارے۔ رات کو نظر آتے ہیں ان میں سے تین پلنگ کی صورت ہیں جن کو جنازہ سمجھا جاتا ہے۔ چار ستارے ان کے گرد ہیں جو جنازے کے اٹھانے والے خیال کیے جاتے ہیں۔ یہ مفہوم غلط ہے کہ عرب ان ستاروں کو لڑکیاں سمجھتے ہیں اور اس لیے بنات النعش کہا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عربی محاورے میں ابن النعش کی جمع بھی بنات النعش مستعمل ہے۔ اردو زبان میں ان ستاروں کو سات سہیلیوں کا جھمکا کہتے ہیں۔

ماہ کنعاں۔ اشارہ ہے حضرت یوسف علیہ السلام سے۔

۱۱۰

شوریدگی۔ دیوانگی۔

ہم چشمی۔ مقابلہ۔

۱۱۱

درخور۔ لائق۔

کف سیلاب۔ سیلاب کے جھاگ۔

نکوہش۔ ملامت۔

۱۱۳

نظارہ سوز۔ جس کا نظارہ نہ ہو سکے۔

بوالہوس۔ ہوسناک [illegible]

کی طرف اشارہ ہی)

۱۱۴

ستم ظریف ۔ وہ شخص جو کہ ظرافت کے پردہ میں ستم کرے۔

۱۱۵

بھروں ۔ آلودہ کروں۔
منحرف ۔ بھرنے والا ٹیڑھا۔
ابرا دینا ۔ شطرنج کی ایک اصطلاح ہی جب بادشاہ کی چال کے لیے کوئی ایسا خانہ جس میں جانے سے اس کو مفر ہو باقی نہیں رہتا تو کسی دوسرے مہرہ کو ایسی جگہ پر کہ بادشاہ کا حجاب ہو جائے رکھا دیتے ہیں ۔ اور شطرنج کی چال میں ایسی چال کو ابرا دینا کہتے ہیں بعض لوگ اس چال کو ادرب یا پردب بھی کہتے ہیں۔
کشت ۔ یہ بھی شطرنج کی ایک اصطلاح ہی جب چال چلتے چلتے بادشاہ کسی ایسے خانہ میں جاپڑے جہاں پر فریق مخالف کی چال سے اسے خطرہ ہو تو اسے کشت پڑنا کہتے ہیں ۔ ہندی میں کشٹ ۔ مصیبت یا وقت پڑنے کو کہتے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہی کہ اسی ہندی لفظ سے شطرنج والوں نے یہ محاورہ لیا ہی ۔ کیونکہ تحقیق یہی ہی کہ شطرنج کا کھیل اوّل اوّل ملک ہندوستان میں ایجاد ہوا تھا فارسی لغتوں میں کشت کے متعلق لکھا ہی کہ یہ قسط کو بگاڑ کر بنایا گیا ہی قسط بمعنی عدل کے ہیں اور چونکہ شطرنج کا بادشاہ عادل نہیں رکھتا اس لیے اس کے لیے قسط کا لفظ استعمال کرنا مناسب نہ سمجھ کر ایک مہمل لفظ کشت گھڑ دیا گیا ہی تاکہ عدل پر دلالت نہ کرے لیکن ہمیں یہ توجیہہ پسند نہیں بلکہ قرین قیاس یہی ہی کہ کشت سنسکرت لفظ کشٹ سے بنا ہی۔

۱۱۶

وارستہ ۔ آزاد۔
اپنے سے کھینچتا ہوں ۔ اپنے سے حاصل کرتا ہوں۔
زبونی ہمت ۔ کم ہمتی
انفعال ۔ اثر قبول کرنا۔
مژگانِ سوزن کو ۔ سوزن غم کی مژگاں مراد ہی۔

۱۲۰

آئینہ تاکہ دیدۂ نخچیر سے نہ ہو
اس مصرعہ میں تاکہ کا ترجمہ جب تک ہے

۱۲۱

پیہم ۔ مشہور فارسی کا لفظ پیہم کو اضافت کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے جو صحیح ہی ۔ لیکن اردو میں یہ لفظ بلا اضافت کے مستعمل ہے ۔ پیہم کے لفظی معنے ہیں ایک دوسرے کے پیچھے لگاتار لگاتار۔
صد رہ ۔ سو مرتبہ۔
ہم ۔ عربی لفظ ہی جس میں میم مشدد ہی بمعنی غم (اردو میں بلا تشدید مستعمل ہے)۔
تیغِ دودم ۔ دو دھاری تلوار

۱۳۰

جامِ واژگوں ۔ اولٹا ہوا پیالہ

۱۳۴

پرنیاں ۔ حریر ۔ ریشمی کپڑا۔

۱۳۵

حاصل ۔ بمعنی محصول یعنی جو چیز حاصل ہو ۔
ہاتھ دھو بیٹھنا ۔ نا امید ہو جانا

آرزو خرامی - خرام حسب مراد
اَسامی - جمع الجمع اسم اردو میں یہ
لفظ واحد کے طور پر بمعنی کاشتکار
مستعمل ہے -

۱۴۳

سیلی خارا - پتھر کی ضرب
ہمارے بھی منہ میں زبان ہے
بولنے پر اُتر آئیں تو دوسرے کو
قائل کردیں -
سرگشتگی - نشۂ شراب سے
بے ہوشی -
غلط بردار - اس کاغذ کو کہتے
ہیں جس پر سے حروف بہ آسانی مٹائے
جاسکیں -

۱۴۴

بودِ چراغ کشتہ - بجھے ہوئے
چراغ کی ہستی -

۱۴۵

نوا پرداز - بولنے والی -
عشاق - عشاق - اہلِ فارس کے
یہاں ایک راگنی کا نام ہے - بارہ
مقاموں یعنی راگنیوں میں سے ایک ہے
ساز کی مناسبت سے غالب نے
اس لفظ کو یہاں استعمال کیا ہے

۱۴۶

نکوہش - ملامت -

۱۴۹

خرقہ - بالکسر لفظی معنی - پھٹا پرانا
کپڑا - اصطلاح فقرا میں فقرا کا جبہ
سجادہ جامہ -
بے صرفہ - فضول -
لئیم - کنجوس -

۱۵۰

قطع رہِ اضطراب - وہ رستہ
جو حالت اضطراب میں طے ہوا (قطع
بمعنی طے استعمال ہوا ہے)
سال - اس شعر میں بمعنی عمر آیا ہے
بال تدرو - کلّہ ابر -
جاداد - جائے داد -
جوشِ بہار - ظہور عالم کے
طرف اشارہ ہے -
نامراد - بے مراد (وہ شخص جس کی
مراد پوری نہ ہو) -

۱۵۱

شرما جائے ہے - یہاں چھپ
جانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے

طرزِ تغافل - وہ ظاہری تغافل
جو عشق چھپانے کے لیے برتا جائے
(تغافل کے لفظی معنی ہیں جان بوجھ کر
باہم غفلت کرنا -)
دل بیٹھا جائے ہے - دل مایوس
ہوا جاتا ہے -
رنگ کھلنا - رنگ نکلنا -
اتنا ہی کھنچتا جائے ہے -
اتنا ہی اکڑتا جاتا ہے -

۱۵۲

نقشِ نہالی - قالین کی تصویریں
(نہالی بمعنی توشک وغالیچہ)
برد - سردی -
لیالی - لیل کی جمع ہے - عربی میں لیل
رات کو کہتے ہیں -
نسیہ - ادھار - نسیہ سے
عقبیٰ کی طرف اشارہ -

۱۵۳

داغِ ساماں - وہ شخص کہ داغ
جس کا سرمایہ و نشان ہو -
تا شگفتن ہا - کھلنے کے وقت
برگ - ساز و سامان -
معلوم - یہاں نفی کے معنی میں
استعمال ہوا ہے -
خوابِ گل پریشاں ہے -

اس امر کی طرف اشارہ ہی کہ پھول کی پنکھڑیوں میں بکھر جانے کا مادہ چھپا ہوا ہی۔

۱۵۵

قدم منزل میں ہی یہاں منزل سی مراد راہ منزل ہی۔
دلِ شوریدہ۔ سودائی دل۔

۱۵۶

وہ شبانہ کی سرمستیاں:۔ عہد جوانی کی طرف اشارہ ہی۔
گل کترنا۔ شگوفہ چھوڑنا یعنی کوئی فساد کی بات کرکے آپ علیحدہ ہو جانا۔
فردا۔ آنے والا کل (حشر سے بھی مراد لی جاتی ہے)
دی۔ گزرا ہوا کل۔
قیامت گزر گئی۔ نہایت سختی گزری۔

۱۵۷

تسکیں کو ہم نہ روئیں۔ ہم تسکینِ دل کا غم نہ کریں۔
میرے پتے سے۔ میرے دفن کے پتے سے۔
ساقی گری کی شرم کرو۔ دل

بھر کر شراب پلا دو۔

۱۵۸

اعمار۔ عمر کی عربی جمع ہی۔

۱۶۱

صاعقہ۔ بجلی جو زمین پر گرے۔
بادۂ دوشینہ۔ رات کی پی ہوئی شراب۔

۱۶۲

رونما زارہ۔ دل کا بازار یعنی بیٹھ

۱۶۳

شادمانی کی۔ شادمانی حاصل کردم کا ترجمہ ہی۔ یعنی میں نے شادمانی حاصل کی۔

۱۶۴

ریشگی بخشنا۔ اگنا (اس کے معنی زخمی ہونا غلط ہیں)
طاقت اڑ گئی۔ طاقت زائل ہو گئی

۱۶۵

سخت قریب۔ زیادہ قریب۔
رزق ہم۔ ایک دوسرے کا رزق۔
اہل ہوس۔ رقیب۔
پاؤں اٹھنا۔ بھاگ جانا۔
علم ہوئے۔ فتح کا جھنڈا بن گئے

عقدِ گردن خوباں۔ معشوقوں کی گردن کی لڑی یہاں پر عقد بالکسر بمعنی لڑی ہی اور بالفتح بمعنی معاہدہ یا نکاح اور بالضم بمعنی مشکل یا گتھی۔

۱۶۹

ہوائے دل۔ خواہشِ دل۔
(مازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل:۔ وہ نوجوان جنھیں خواہشات نفسانی میں مبتلا ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا ہی)

۱۷۰

جھاڑ ہی نشاطِ عشق کی مستی:۔ سب نشے اتار دیئے۔
آگے آنا۔ نتیجہ حاصل ہونا۔
ہمیشہ کھاتے تھے جو مری جان کی قسم آگے۔ (اس مصرعے میں "آگے" بمعنی زمانۂ سابق آیا ہی اور اس سے پہلے مصرعوں میں زمانۂ آیندہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے

۱۷۱

چرخ مکوکب ا۔ آسمان ستارہ دار۔
نعل بہا۔ وہ روپیہ جو ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کو اپنے ملک پر فوج کشی نہ کرنے کے معاوضہ میں

ادا کرے۔

۱۷۹

گفتار میں آوے۔ بولنا شروع کرے۔ (فارسی کا ترجمہ ہے اردو میں سوا غالب کے اور کسی نے نہیں لکھا۔

۱۸۰

اہلِ ہمت۔ اہلِ دل۔

۱۸۱

بیدائے خیال۔ صحرائے خیال
گرانی۔ ارزانی کی ضد یعنی مہنگا پن اس کے دوسرے معنی بھاری پن کے بھی ہیں۔
گردباد۔ بگولا۔

۱۸۳

کنگرِ استغنا۔ کنگر، کنگرہ کا مخفف عمارت کا وہ نمایاں حصّہ جو سب سے اوپر بنایا جاتا ہے۔ استغنا بہ معنے بے پروا۔ کنگرِ استغنا سے عالیشان بے پروائی مراد ہے۔

۱۸۴

سرِ انگشت۔ انگلی کی پور۔

۱۸۵

پشت گرمی۔ بمعنی پشت بانی و اعانت

۱۸۷

جائے مُو اپنے کو کھینچا چاہیئے
کھینچا چاہیئے یہاں دو معنی میں مستعمل ہے ایک بہ معنی معروف جو مو کشیدن کا ترجمہ ہے دوسرے بہ معنی پرہیز کرنا۔

۱۸۸

درسِ عنوان تماشا۔ کتاب دیدارِ یار کے مطالعے کی تمہید۔
دیدۂ حیراں۔ حیرتِ عشق مراد ہے۔

۱۸۹

بات بننا۔ تدبیر کا بن پڑنا۔
بات بنانا۔ کسی واقعہ کو توڑ مروڑ کر اپنے حسبِ مطلب الفاظ میں کہنا
کسی پر بن جانا۔ مصیبت میں مبتلا ہو جانا۔

۱۹۰

آبگینہ:۔ شیشۂ دل سے مراد ہے کوہ سے معشوق کی سنگدلی کی طرف اشارہ ہے۔
موئے شیشہ:۔ وہ بال جو شیشے میں پڑ جاتا ہے۔

دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے:۔ دیدۂ ساغر کی پلکیں بن جائے۔ یعنی دیدۂ ساغر کے لیے باعثِ حفاظت ہو جائے۔
خطِ عارض کو لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد الخ:۔ الفت نے خطِ عارض کے نام زلف کے متعلق عہد نامہ لکھ دیا ہے کہ زلف جس کو چاہے اسبابِ پریشانی جمع کرنے میں تیار رہوں۔

۱۹۲

رنجِ بالیں ہے۔ تکیہ کے لیے مصیبت ہے
سرشک۔ آنسو۔
نور العین۔ آنکھ کا نور۔ آنکھ کی روشنی مجازاً بیٹا۔
برخوردار۔ پھل کھانے والا۔ مجازاً بیٹا۔
رنجوری۔ بیماری۔

۱۹۴

اردی [illegible]۔ فارسی مہینے کا نام ہے جو بہار [illegible] آتا ہے۔
[illegible] فارسی مہینے کا نام ہے جو خزاں [illegible] ہوتا ہے۔

۲۰۰

دامن افشانی :- ترک تعلقات دنیوی سے مراد ہے۔

سنگ فساں - وہ پتھر جس پر تلوار وغیرہ کو گھس کر دھار رکھتے ہیں

پرسش ہائے پنہانی :- خواب میں یا تصور میں آ کر تسلی دینے کی طرف اشارہ ہے۔

۲۰۱

ہنگامۂ یارب :- ہنگامہ فریاد (یارب کے معنے شاعر نے فریاد کے فارسی محاورہ سے لیے ہیں۔ فارسی میں یارب دہائی دینے کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے۔)

میرزا صاحب :- خود غالب سے مراد ہے (شعرہ)

۲۰۲

قیس و کوہ کن :- قیس مجنوں کا نام ہے اور کوہ کن سے فرہاد کی طرف اشارہ ہے۔

نیروے تن :- قوت جسمانی۔

پیر کنعاں - حضرت یعقوب علیہ السلام سے مراد ہے۔

شست - نشانہ

گیرائی - گرفت کی قوت۔

۲۰۳

عبارت مختصر - قصۂ مختصر

نظارگی :- دیکھنے والا۔

۲۰۴

جنوں علامت - جنوں کی علامت رکھنے والا۔

کشاد و بست - پلکوں کا کھلنا۔ مُندنا۔

سیلی ندامت :- ندامت کی طرف سے سزا کا تھپڑ۔

ورطہ - بھنور۔

۲۰۵

آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے :- مجھ سے خفا ہی ہوجا۔

۲۰۶

کعبہ میرے پیچھے ہے :- کعبہ میرے پیچھے پڑ رہا ہے یعنی اصرار کر رہا ہے۔

کلیسا مرے آگے - کلیسا سامنے سے بلا رہا ہے۔

۲۰۷

گراں نشیں :- دیر تک قائم رہنے والا

گریز پا - بھاگنے والا۔ مجازاً ناپائیدار۔

خوں بہا دیجے - خوں بہا بخش دیجے

روانی روش :- روانی رفتار۔

فرصت - قیام کی مہلت

ناخدا - یہ لفظ فارسی میں ہندی سے پہونچا ہے یعنی مفرس ہے۔ اصل میں ناو کھیوا تھا یعنی کشتی کا کھینے والا۔ بگڑ کر ناکھوا ہوا۔ اور آخر میں ناخدا بن گیا۔ بمبئی میں ایک مسلمان قوم آباد ہے جو ناخدا کہلاتی ہے۔ یہ لوگ عربی الاصل ہیں۔ اول اول کوکن میں آ کر آباد ہوئے تھے۔ ان کا پیشہ ملاحی ہے۔ ممکن ہے کہ ان کو یہاں کے ہندؤں نے ان کے پیشے کے لحاظ سے ناو کھیوا کہا ہو اور رفتہ رفتہ یہ لوگ خود اپنے کو ناخدا کہنے لگے ہوں۔ مصنف برہان لکھتا ہے کہ یہ لفظ اصل میں ناؤ خدا ہے لیکن ناؤ ہندی اور خدا فارسی ہے اس سے بھی یہ ظاہر ہے کہ اصلاً یہ لفظ ہندوستان ہی کی پیداوار ہے۔

۲۰۹

شاداب رنگ :- راگ رنگ میں ڈوبے ہوئے۔

سازہا - ساز کی جمع بمعنے باجے

مست طرب - نشۂ طرب سے بے ہوش۔

جوئے بار - نہر جوئے بار نغمہ - نہر کی روانی میں جو آواز ہوتی ہے اسے

نعمہ کیا گیا ہے یہ تشبیہ بالکل جدید
اور لذیذ ہے

۲۱۰

شوخیٔ دنداں - خوبیٔ دنداں سے
مراد ہے -
یک جہاں زانو - سوچ - اور
تامل کی مقدار کو غالب نے یک
جہاں زانو کے الفاظ سے ظاہر کیا ہے
اور زانو کو اس لیے پیمانۂ مقدار
ٹھہرایا ہے کہ انسان تامل اور سوچ
کے وقت گھٹنے پر سر رکھتا ہے -
قفا - سر کے پیچھے کا حصہ - لیکن
اس لفظ کا استعمال مطلق پیچھے
کے معنی میں ہوتا ہے - در قفائے خندہ
کے معنی "ہنسی کے بعد"
دنداں در دل افشردن :-
فارسی کا محاورہ ہے بمعنی مکروہات
اور مصائب میں ثابت قدم رہنا
اور کثرت سے مصائب برداشت
کرنا -
محیط :- لفظی معنے گھیرنے والے
کے ہیں - جب یہ لفظ بحر کے ساتھ
استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنے
سمندر کے ہوتے ہیں - کیونکہ وہ
بر اعظم کو گھیرے ہوئے ہے اور فارسی
کے شعرا تعبیر لفظ بحر کے بھی صرف

محیط سمندر کے معنی میں لکھتے ہیں -
یہاں غالب نے بھی یہی معنے لیے ہیں
یعنی دل کو آنسوؤں کا سمندر فرض
کیا ہے -
آشنا - پیراک

۲۱۱

حسن بے پروا - حسن بے نیاز
خریدارِ متاعِ جلوہ - خواستگار
جلوہ افروزی -
آگہی - خبرداری اور ہوشیاری -

۲۱۱

غبارِ وحشتِ مجنوں - نمائش
سراب مراد ہے -
طرۂ لیلیٰ - موج دریا کا استعارہ
(طرہ :- ماتھے کے بال عموماً زلف سے
مراد لی جاتی ہے اور زلف کے لہرا کو موج دریا سے مشابہ کیا)
طرب انشا :- خوشی پیدا کرنے والی
لختِ جگر :- جگر کے وہ ٹکڑے جو
آنسوؤں کے ساتھ خوں ہو ہو کر نکلا
کرتے ہیں -
گوہر شکست :- گوہر کو زخم سے
نسبت دیتے ہیں گوہر شکست سے
وہ زخم مراد ہے جو عاشق کے سر پھٹنے
سے پیدا ہو
سر بر ہونا - عہدہ برا ہونا -

۲۱۲

کڑی کمان کا تیر :- وہ تیر جو
بہت تیزی کے ساتھ آئے -

۲۱۴

زہرابُ اُگتا ہے مجھے - زہراب
سے یہاں مراد غم اور غصے سے ہے
زہر آب کے لفظی معنے زہر ملا ہوا پانی
زہر کے لفظ کو فارسی شعرا نے اصلی
معنی کے علاوہ مجازاً غیظ و غضب
کے معنی میں بھی استعمال کیا ہے اور
اس کو شگوفہ سے تشبیہ دی گئی ہے
زہر دمیدن محاورہ ہے - اسی فارسی
محاورہ سے غالب نے اس شعر میں
زہر آب اُگتا لکھا ہے -

۲۱۵

کوکبہ - جماعت خاندان شاہی

۲۱۶

طرۂ پُرپیچ و خم - وہ زلف جس
میں بہت سے پیچ ہوں -
پیچ و خم نکلے :- زلف کھل جائے

۲۱۸

جیبِ خیال :- دل سے مراد ہے
کچھ نظر آتا نہیں :- کچھ سمجھتا
نہیں -

دشتِ تمنا خاک ہے: مٹھی بھر خاک کے برابر ہے یعنی بے حقیقت ہے۔

۲۲۴

ناچو ہجوم نالہ ۔ اے ہجوم نالہ
حیرت عاجز عرضِ یک افغاں
وہ حیرت جو ایک آہ بھی نہ کر سکے
خس بہ دنداں گرفتن: خس بدنداں گرفتن فارسی محاورہ ہے جو اظہارِ عجز کے موقعے پر بولا جاتا ہے یہ اسی کا ترجمہ ہے۔
جانستاں تر: زیادہ ستحدی یا پھرتی سے جان لینے والا۔
یہ کثرتِ غم سے: اس قدر کثرتِ غم سے۔
متاعِ دستِ گرداں: وہ سودا جو نقد فروخت ہو۔
قلزمِ صرصر: آندھی اور جھکڑ کا طوفان۔
مرجاں: نباتات کی ایک قسم جو آبِ شور میں پیدا ہوتی ہے سمندر سے باہر آکر وہ مثل پتھر کے ہو جاتی ہے جس کو حجر البحر کہتے ہیں۔ ہندی میں مونگا مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پچھلے زمانے میں اس بحری درخت کا چراغ سمندر میں روشن کرتے تھے جو پانی میں گل نہیں ہوتا تھا۔ اسی چراغ مرجاں کے خیال کو شاعر نے اس مصرعے میں: "چراغِ روشن اپنا قلزمِ صرصر کا مرجاں ہے" نظم کیا ہے۔

۲۲۵

شانہ کش: کنگھی کرنے والی۔
نافہ: مشک کی تھیلی جو ہرن کے ناف سے نکلتی ہے۔
آہوئے دشتِ تتار: تتار کے جنگل کا ہرن "تتار" خراسان میں ایک شہر ہے جہاں ہرن بکثرت ہوتے ہیں فارسی شعرا کے یہاں یہ لفظ بحذف الف بھی آیا ہے۔ اسی طرح غالب نے لکھا ہے
چھڑکے ہے شبنم آئینۂ برگِ گل پہ آب: اس مصرعے میں فارسی محاورہ آب بر آئینہ ریختن سے شبنم کا آئینۂ برگِ گل پر پانی چھڑکنے کا خیال لگایا ہے۔ ایران میں چونکہ کسی کو رخصت کرتے وقت آئینے پر پانی چھڑکنے کی رسم مروج ہے اس لیے آب بر آئینہ ریختن کے معنی رخصت کرنے کے ہو گئے۔
بے خبر ہی - یعنی خبردار نہ سہی۔

۲۲۶

شوقِ عناں گسیختہ: جوشِ شوق (لفظی معنی وہ شوق جس کی باگ ہاتھ سے چھوٹ گئی) یہاں جوشِ اشک سے مطلب ہے۔
پنبۂ مینا: وہ روئی جو شراب کی بوتل کے ڈاٹ کے کام میں لائی جائے۔ روئی کا رنگ چونکہ سپید ہوتا ہے اس لیے صبح کی سپیدی سے تشبیہہ دی ہے۔

۲۲۷

جی جلنا۔ جی کڑھنا۔

۲۲۹

دُردِ تہِ جام۔ شراب کی تلچھٹ
بات بننا: وصل ہونا۔
ابرام۔ پکا کرنا (وعدے کی مضبوطی کرنا۔)

۲۳۰

پندار۔ غرور۔

قصیدہ اول

تیغ کوہ - پہاڑ کی چوٹی -
گلچین طرب :- خوشی کا لطف اُٹھانے والی -
فشار - لغوی معنی کسی تر چیز کو ہاتھ سے دبا کر نچوڑنے کے ہیں - مجازاً تنگی کو کہتے ہیں -
راہِ خوابیدہ - وہ راہ جس پر کسی کی آمد و رفت نہ ہو سنسان پڑی ہو -
دو جہاں ابر - کثیر ابر -
طاقِ گلزار - گلزار طاق - اس طاق کو کہتے ہیں - جو بڑے محل یا صف میں سب سے بڑا نمایاں طاق ہوتا ہے - اس طاق میں گل کاری کا کام بنایا جاتا ہے اور اس کو گلدستوں سے سجایا جاتا ہے -
خلوت کدہ غنچہ باغ - خود باغ سے مراد ہے اضافت بیانیہ ہے -

ساز - سامان -
طناب - وہ ڈوری جس سے معمار دیوار کی کجی و راستی کو ناپتا ہے -
مروحہ بال پری - وہ پنکھا جو پری کے بازوؤں سے بنایا جائے -
مہرِ نماز - سجدہ گاہ -
استظہار - پشت پناہ ہونا - مددگار ہونا -
دستِ دعا آئینہ - یہاں اضافت مقلوب ہے یعنی آئینۂ دستِ دعا -
خمیازۂ سیلاب - موج سیلاب کا استعارہ ہے -

قصیدہ دوم

جنون و تمکین - دیوانگی و ہوشیاری
بادِ بدست - پشیمانی و حیرانی مراد ہے -
خاک بہ فرق - ذلت کی طرف اشارہ ہے -
کُرۂ تصویر زمین - کرۂ زمین -

دل الفت نسب - الفت سے نسبت رکھنے والا دل -
سینۂ توحید فضا - وہ سینہ جو وحدت سے معمور ہو -

قصیدہ سوم

نمام - چغلخور -
پیک - پی (قدم) اور ک حرف نسبت ہے یعنی قاصد و ہرکارہ
لوحش اللہ - فارسی میں ماشاء اللہ کی جگہ بولتے ہیں - عربی میں مستعمل نہیں
مرشد جام - مولانا احمد جام سے مراد ہے جو صوفیوں میں متقدم بزرگ ہیں اور ان کا لقب زندہ پیل تھا -
تیغِ خصم نیام - وہ تلوار جس کا میان دشمن کا جسم ہو -
فنِ صورت گری - فن تصویر کشی
دستگاہ - وہ سرمایہ جو کسی کے قبضہ و تصرف میں ہو - اہل حرفہ کے کارخانہ کو بھی کہتے ہیں یہاں مراد قدرت سے ہے

ادغام - عربی میں گھوڑے کے منہ میں لگام دینے کو کہتے ہیں اصطلاح صرف میں ایک جنس کے دو حرفوں کو ملاکر پڑھنا مراد ہے۔

توقیع - فرمان

قصیدہ چہارم

سیمیا - جادوگری کا ایک فن ہے جس سے اشکال وہمی وغیرہ جن کا وجود نہ ہو نظر آنے لگتے ہیں۔

سرہنگ - یہ لفظ سر اور آہنگ سے مرکب ہے۔ فوج کے وہ سپاہی جو مخالف کے سر لینے کا قصد رکھتا ہو۔

وان لکھا ہے چہرۂ قیصر کھلا :- اس مصرعے میں کھلا بمعنی صاف صاف۔

آزر - حضرت ابراہیم کے چچا یا والد کا نام ہے جو بت تراشی اور بت پرستی میں مشہور تھے۔ اب ہر بت تراش کو کہتے ہیں۔

طبلۂ عنبر - عنبر کا ڈبہ (طبلہ ایک خاص قسم کے ایک رخے باجے کو بھی کہتے ہیں)

بدرقہ - لغوی معنے رہبر کے ہیں

صاحبقراں - وہ بادشاہ جو قران عظمی کے وقت پیدا ہوا ہو۔ علم نجوم میں قران عظمی ستاروں کی اس ہیئت کو کہتے ہیں جو وقت خاص پر واقع ہوتی ہے اس ساعت میں جو بادشاہ پیدا ہوجاتا ہے کہا جاتا ہے کہ اس کی سلطنت بہت وسیع اور عرصے تک قائم رہنے والی ہوتی ہے۔ بادشاہ صاحبقراں سے عموماً بادشاہ جلیل القدر اور فاتح سے مراد ہوتی ہے

(۱) مثنوی آموں کے تعریف میں

ترنج زر - سونے کا لیموں جو خسرو پرویز نے ایسے سونے سے بنایا تھا جس کو ہاتھ سے دبا کر جو چیز چاہتے تیار کر لیتے کہتے ہیں کہ اسی سونے سے بعد میں کسریٰ نے ساگ تیار کیا تھا۔

طلائے دست افشار :- وہ سونا جس کو ہاتھ سے دبا کر جو چیز چاہیں تیار کرلیں خسرو پرویز کے سونے کی طرف اشارہ ہے۔

نخل باغ سلطاں - ولیعہد سے مراد ہے۔

ولایت عہد - یہاں عہد بمعنی عہد و پیمان آیا ہے۔

حمایت عہد - زمانے کی حمایت

مفیض - فیض پہونچانے والا۔

قطعات

(۱)

فلک منظر - وہ بادشاہ جس کا منظر یعنی بلندی فلک کی سی ہے۔

فرق ارادت - سر ارادت۔

اورنگ - تخت۔

اکلیل - تاج۔

شانۂ زلف الہام - الہامی دقائق کو سلجھانے والا۔

مائدہ - دسترخوان۔

بذل خلیل - حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی سخاوت۔

توفیر - زیادتی۔

تقلیل - کمی۔

ثور و حوت - علم نجوم کی اصطلاح میں برجوں کے نام ہیں۔ ماہ کا برج ثور اور زہرہ کا برج حوت میں قیام مبارک ہوتا ہے۔

تحویل - لغوی معنی لوٹنے یا واپس ہونے کے ہیں۔ علم نجوم کی اصطلاح میں کسی سیارے کے برج میں داخل ہونے کو کہتے ہیں۔

رہین - ضامن۔

انجاح - مطلب پورا ہونا۔

انفعال - ملتفت ہونا۔

لقا کی داڑھی - داستان امیر حمزہ۔ مشہور کتاب میں لقا کی داڑھی کا ذکر آیا ہے لقا ایک فرضی شخص تھا جس کی داڑھی میں موتی پروئے گئے تھے

امر کی زنبیل - اس سے عمرو عیار کی زنبیل مراد ہے جس کا ذکر داستان امیر حمزہ میں ہے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اس زنبیل میں پڑتا تھا غائب ہوجاتا تھا اور وہ کبھی پُر نہ ہوتی تھی۔ غالب نے عمر کا املا قصداً الف سے لکھا ہے اور میم کو متحرک استعمال کیا ہے زنبیل فارسی زبان میں چمڑے کی جھولی کو کہتے ہیں جو فقرا رکھتے ہیں)

ابہام - کسی بات کو پردہ سے کہنا۔

۲

غیروں کی وفاداری کی تقریر کیا کرتے تھے - تقریر کرنا بیان کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

بگڑنا - لڑائی ہوجانا۔

۳

مطرا - تازہ۔

ہف نظر - نظر بد دور (اُردو کا

محاورہ ہے عربی میں حلتے حلی سے حف ہے جس کے مختلف معنے ہیں مثلاً پرندوں کا پھڑ پھڑانا یا مہمانی کرنا۔

۴

انگشت بدنداں ہونا - حیرت زدہ ہونا۔

سر بہ گریباں ہونا - فکرمند ہونا کسی چیز پر غور کرنا۔

شگرفان خودآرا - حسینان خودآرا

انگشت مسی آلودہ - وہ انگلی جو بیچ کی انگلی اور چھنگلیا کے درمیان ہوتی ہے جس کو عورتیں عموماً مسی لگانے میں استعمال کرتی ہیں۔

مانا کہیے - مانند کہیے۔

تکمہ - فارسی میں بمعنی گھنڈی مستعمل ہے۔ لیکن ہماری زبان اردو میں اس حلقے کو کہتے ہیں جس میں گھنڈی ڈالی جاتی ہے۔

ناقۂ سلمیٰ - سلمیٰ کی اونٹنی۔

۹

طرفِ کلاہ - ٹوپی کا گوشہ۔

۱۰

نظارگی - نظارہ کرنے والا ہے۔
غالب نے اس لفظ کو اسی معنی میں ایک غزل میں بھی لکھا ہے۔

شرفِ مہر جہاں تاب - شرف آفتاب یعنی برج حمل میں آفتاب کا پہونچنا۔

عتبہ - ڈیوڑھی۔

۱۱

باد زمہریر - ٹھنڈی ہوا۔

نغز گو - خوش گو۔

وقنا ربنا عذاب النار - اے ہمارے خدا ہمیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھیو۔

۱۲

سیہ گلیم - سیہ بخت۔

۱۳

طوے - بیاہ۔

۱۴

کانوں پر ہاتھ دھرنا - وہ رسم جو دربار شاہی میں ایک دوسرے کو سلام کرنے کے لیے ادا کی جاتی تھی یعنی رعب شاہی کی وجہ سے لوگ جب باہم ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے تو بجائے ماتھے پر ہاتھ رکھنے کے کانوں پر ہاتھ

رکھتے تھے۔ دوسرے [illegible]

ہاتھ دھرنے کے ہیں کسی چیز سے

لاعلمی کا اظہار کرنا۔

رباعیات

رباعی نمبر ۴

جانِ درد نہیب ۔ وہ جان جس کا آغاز درد سے ہو۔

۵

حسد قماش ۔ وہ شخص جس نے حسد کا جامہ پہنا ہو یعنی حاسد

کاغذ باد ۔ پتنگ۔

۶

نژند ۔ رنجیدہ ۔ اندوہگیں

۹

شاہ پسند دال ۔ مونگ کی دال جو ابوظفر بادشاہ کے یہاں پکا کرتی تھی۔

۱۰

سافل ۔ نیچے ہونے والا (عالی کی ضد۔)

وہ اشعار اور قطعات جو دیوان مروجہ میں نہیں ہیں

قصیدہ نمبر ۱

فروردین ۔ ایرانی سال کا پہلا مہینہ جو موسم بہار میں ہوتا ہے اور تقریباً انگریزی ماہ مارچ اور ہندی ماہ چیت سے مطابق ہوتا ہے

شہور ۔ جمع شہر یعنی مہینہ۔

نگار خانہ ۔ تصویروں کا گھر وہ گھر جو قسم قسم کی تصویروں سے آراستہ ہو۔

گدیہ گر ۔ دریوزہ گر فقیر۔

دُرِّ یتیم ۔ قیمتی موتی۔

مظنون ۔ خیالی اور وہمی۔

مہر فر ۔ خورشید شکوہ۔

فرزیں ۔ شطرنج کے ایک مہرہ کا نام ہے جو بجز گھوڑے کے اور سب مہروں کی چال چل سکتا ہے۔

موکب ۔ سوار ہونا سواروں کی جماعت یہاں موکب خاص شاہی سواری سے مراد ہے۔

گور ۔ لغوی معنی قبر اور جنگل کے ہیں گور خر یا خر مخفف ہو گیا اور سب مخفف گور بھی فارسی جنگلی گدھے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہاں یہی معنے شاعر نے لیے ہیں

نمبر ۸

فعال ۔ کرنے والا۔

مابزید ۔ جس کام کا ارادہ کر لیا گیا ہو۔

سلح شور ۔ وہ فوجی اشخاص جن کے جسم پر اسلحہ سجے ہوئے ہوں اور مخالف جماعت کے پریشان کرنے والے ہوں

تمام شد